ادبی رسالہ نمبر۔5
ماہنامہ
اکیسویں صدی
باذوق اور باوقار
لوگوں کی پسند
فروری
2024

ماہنامہ اکیسویں صدی
ایڈیٹر
نورین خان
مشیر
مہناز رحمان
ممبر
جلال خان
ممبر
عائشہ خان

فن اور فنکار

فن اور فنکار

فن اور فنکار

حمدِ باری تعالےٰ

افضل بھی تو اعلیٰ بھی تو واحد بھی تو یکتا بھی تو
زیرو زبر کرتا بھی تو اور سب کا رکھوالا بھی تو

خالق بھی تو حاکم بھی تو مالک بھی تو رازق بھی تو
خالق بھی تو مخلوق پہ رکھنے نظر والا بھی تو

اول بھی تو آخر بھی تو ظاہر بھی تو باطن بھی تو
رتبوں میں سب سے بالا بھی تو ارفع بھی تو اعلیٰ بھی تو

مسجد میں سجدے کئی کیئے مولا تیری رضا کیلئے
کیا ہے سوا تیرے میرا دنیا میں اک آسرا بھی تو

ٹہلتے ہوئے قمر جگنو اصل آسماں پہ ہے قمرؔ جو

نعت رسول ﷺ

بصد خلوص بصد احترام لکھ دینا
غلام حضرتِ خیر الانام لکھ دینا
فرشتے کہدیں نبی کا غلام سویا ہے
میرے کفن پہ محمدؐ کا نام لکھ دینا

نظر میں گنبدِ خضریٰ سجائے بیٹھے ہیں
ہم اپنے دل کو مدینہ بنائے بیٹھے ہیں
ہے کب سے دید مدینۂ کی آرزو دل میں
نبی بلائیں گے ہم لو لگائے بیٹھے ہیں

میری ان آنکھوں کو آقا یہ خواب دے دینا
مجھے بھی حُبِ رسالت مآب دے دینا
پھر آج میں نے محبت سے ماں کو دیکھا ہے
میرے خدا مجھے حج کا ثواب دے دینا

نبی کا جشن منانا بہت ضروری ہے
چراغِ عشق جلانا بہت ضروری ہے
اگر ہو تاجِ شریعت کے چاہنے والے
رضا کا نعرہ لگانا بہت ضروری ہے

عبادتوں کا قرینہ دیکھا کے لے آؤں
وہاں سے عرش کا زینہ دیکھا کے لے آؤں
میرے کریم تو اتنا نواز دے سب کو
میں اپنی ماں کو مدینہ دیکھا کے لے آؤں

Designed By: Chahat Darbhangwi Mob. 8294380163

صبح بخیر

دعا

گھر سے نکلی ہوں میری رہ میں اجالا کر دے
اے خدا ساتھ میرے نور کا ہالہ کر دے
ہر بری سوچ کے شر سے مجھے رکھنا محفوظ
مختلف آؤں نظر سب سے نرالا کر دے
جو نظر اٹھے عقیدت سے اٹھے میری طرف
میری توقیر میرا اہم حوالہ کر دے

خدا نے ہمیں پیدا ہی کیوں کیا؟ ہمارا امتحان لینے کا کیا مقصد؟

مصنف ۔۔ ابوبکر المشرقی

یہ سوال صفت اور اسکے اظہار کے مابین ناگزیر بیانیہ تعلق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صفت اور اسکے اظہار کے بارے میں 'کیوں' کا سوال ہی غیر متعلقہ ھوتا ھے کیونکہ انکے درمیان تعلق "وجہ" کا نہیں بلکہ "ہے" (to be) کا ہوتا ہے، یعنی صفت کا اظہار ہی صفت کی تعریف (یعنی ڈسکرپشن) ہوتی ہے۔ مثلا سماعت کا معنی ھے سنائی دینا، یعنی سنائی دینے کا عمل صفت سماعت کا اظہار یا اسکی تعریف ھے اور اس اظہار سے علی الرغم اسکا کوئی معنی نہیں۔

چنانچہ خدا کی ایک صفت 'خالق' ھونا ھے، پس مخلوق کا ھونا خدا کی صفت خلاقیت کا 'اظہار' ھے، یہاں وجہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال ایسا ہی ھے جیسے کوئی کہے کہ صفت بینائی سے دکھائی کیوں دیتا ھے یا صفت سماعت سے سنائی کیوں دیتا ھے۔ ظاھر ھے یہ سوال ھی غلط ھے کیوں کہ دکھائی دینے اور بینائی کے درمیان تعلق صفت اور اسکے اظہار کا ھے، یعنی دکھائی دینا صفت بینائی کی تعریف ھے اس پر "مقصد" کا سوال غیر متعلق ھے۔ بالکل اسی طرح خدا کی مخلوق کا ھونا خدا کے خالق ھونے کا اظہار ھے، یہاں اصولا "کیوں" کا سوال ہی پیدا نہیں ھوتا۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ خدا امتحان کیوں لے رہا ہے، تو اسکا جواب بھی یہی ہے کہ خدا کی صفات 'حق' و "عادل" ہونا بھی ہیں، پس حق و باطل کا معرکہ اسی صفت "حق" اور جزا و سزا کا نظام صفت "عادل" کا اظہار ہے، لہذا یہاں بھی کیوں کا سوال بے محل ھے۔

شبہ:

آپ کے بقول کائنات کو پیدا کر کے خدا نے اپنی صفت خلاقیت کا اظہار کیا نیز ایسا کرنے سے قبل بھی خدا "صفت خلق" سے متصف تھا، تو آخر اپنی ان صفات کے اظہار کا مقصد کیا تھا؟ ان صفات کا اظہار کرنے کی کیا وجہ پیش آ گئی تھی؟

تبصرہ:

پہلے واضح کیا گیا کہ صفت کے اظہار پر 'کیوں' کا سوال پیدا نہیں ھوتا۔ گفتگو کو آگے بڑھانے سے قبل اھل مذھب کا یہ اصولی مقدمہ یاد رکھنا چاھئے کہ خدا کو بس اسی حد تک پہچانا جا سکتا ھے جس قدر خود اس نے اپنے نبی کے ذریعے اپنا اظہار کیا، اس سے زیادہ عقل کے سامنے کوئی سوال رکھنا عقل پر ایسا بوجھ ڈالنا ھے جسکی وہ متحمل نہیں ھو سکتی۔ چنانچہ خدا نے بتایا کہ میں 'خالق' ھوں تو ہمیں پتہ چلا کہ کسی مخلوق کا ھونا اس

مخلوق کا ھونا اس صفت کا اظہار ھے۔ اب یہ سوال کہ صفات بالقوہ کو بالفعل میں 'کس سبب و مقصد سے' تبدیل کیا گیا؟ جب ہم انسان "مقصد" کا سوال اٹھاتے ھیں تو وہ "ذات سے بیرون" کسی شے کی جستجو کا تصور ھوتا ھے۔ اب خدا سے یہ توقع رکھنا کہ "اس سے الگ" کوئی مقصد ھوگا جسکی وہ جستجو کرے گا یہ خدا کی صفت صمدیت (self-determined and contained) کے تناظر میں خود سے ایک تضاد ہے، یعنی خدا کے کسی عمل کا کوئی "بیرونی مقصد" نھیں ھوسکتا کہ جسکے حصول کا خدا یا اسکا عمل گویا ذریعہ بنے۔ اب لامحالہ یہ مقصد کا سوال "خدا کے اندرون" سے متعلق ھی ھوسکتا ھے اور اس اندرون کو ھم اسی قدر جان سکتے ہیں جس قدر وہ اپنی شان کے مطابق ظاھر کرے۔ خدا کے اندرون سے متعلق ھم صرف اسقدر ہی جانتے ہیں کہ اس نے اپنا تعارف "فعال للمایرید" (جو چاھتا ھے کرگزرتا ھے) سے کروایا ہے۔ تو گویا یوں سمجھئے کہ "یوں عدم کو وجود بخشنا بھی" اسکی "صفت ارادہ" ہی کا اظھار ھے۔ اس کے علاوہ ھم کوئی دوسری بات قطعیت کے ساتھ خدا کے اندرون کے بارے میں نھیں جانتے۔ اب اس صفت کے اظہار پر بھی اصولاً 'کیوں' کا سوال پیدا نہیں ھوتا۔

یہاں یہ اھم بات بھی ذھن نشیں رھنا چاھئے کہ خدا کی ذات کے حوالے سے اس قسم کے بھت سے سوالات اسکی صفات کو الگ الگ تصور کرنے سے بھی پیدا ھوتے ہیں۔ اھل مذھب کے یہاں خدا فعال للمایرید، خالق، عادل، علیم، حکیم وغیرھم سب "ایک ساتھ" ہے۔ چنانچہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ "خدا اپنے ارادے سے اپنی صفات کا (اپنی شان کے مطابق) پر حکمت اظھار کرتا ھے۔"

اس مقام پر اگر کوئی کہے کہ خدا کی یہ صفات کیوں ہیں تو یہ بھی غیر متعلق سوال ھوگا کیونکہ "خدا تو یوں ھے" (یعنی یہ اسکی ڈسکرپشن ھے)۔

'کیوں' کا سوال مقصد کو فرض کرتا ھے، ایک ایسی چیز جو اس وجود سے کہیں باھر ھوتی ھے اور وہ وجود اس مقصد کی تکمیل کا ذریعہ ھوا کرتا ھے۔ اب خدا کی صفات پر یہ سوال اٹھانا کہ 'خدا ایسا کیوں ھے' فرض کررھا ھے کہ خدا "قائم بالذات" نہیں بلکہ اپنے سے بالاتر یا ماوراء کسی مقصد کا ذریعہ ھے۔ ظاھر ھے خدا کے حوالے سے یہ سوال اٹھانا اسکی "صمدیت" کا انکار ھے۔ پس خدا کے حوالے سے یہ سوال ہی غیر متعلق وغیر عقلی ھے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہئے کہ ہر وجود سے متعلق بہت سے سوالات غیر متعلق ھوتے ہیں اور بہت سے متعلق۔ مثلاً اگر میں اپنا چشمہ اپنے کمرے میں رکھ کر جاؤں اور جب واپس آؤں تو وہ کمرے کے بجائے باھر ٹیرس پر ھو تو اس پر ذھن میں سوال آئے گا کہ 'چشمہ باھر کیسے چلا گیا'؟ اب فرض کریں چشمے کے بجائے میرا ایک دوست کمرے میں بیٹھا تھا اور میرے واپس آنے پر وہ ٹیرس میں کھڑا تھا۔ کیا اب میرے ذہن میں "کیسے" کا سوال پیدا ھوگا؟ نہیں، کیونکہ انسان کی ڈسکرپشن یہ ھے کہ وہ "متحرک بالارادہ" ھوتا ھے لیکن چشمہ نہیں۔ تو جو سوال چشمے کے تناظر میں عین عقلی تھا انسان کیلئے (اسکی صفت 'متحرک بالارادہ' کے سبب) غیر متعلق ھوگیا۔

پس یہی معاملہ خدا کا بھی ھے کہ اس کی ذات پر بہت سے سوالات بذات خود غیر متعلق ہیں جیسے یہ کہ 'خدا ایسا کیوں ھے' کیونکہ وہ الصمد (قائم بالذات ھستی) ھے، ایسی ھستی جو اپنے ھونے کا جواز خود اپنے اندر رکھتی ھے۔ چنانچہ خدا کی صفات پر 'کیوں' کا سوال اٹھانے کا مطلب ہی یہ ھے کہ ھم خدا کے الصمد ھونے سے سہو نظر کر لیں۔ پس خدا کی مقصدیت کی تلاش خدا کی صمدیت کا انکار اور اسے اپنے جیسی محتاج مخلوقات پر قیاس کرنا ہے۔

ایک اور سوال ہے کہ جب سب کچھ خدا ہی کر رہا ہے تو یہ تو بندے پر جبر ہے؟

قرآن میں خدا کہتا ہے کہ "ما تشاءون الا ان یشاء اللہ" (یعنی اللہ کے چاہے بنا تم کچھ چاہ ہی نہیں سکتے)۔ معلوم ہوا انسان خدا کی چاہت کے سواء کچھ نہیں چاہ سکتا، تو پھر اعمال کی بندے کی طرف نسبت اور اسے سزا دینے کا کیا مطلب؟ نیز قرآن میں ایک جگہ آیا '(اچھائی و برائی) سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے' (قل کل من عند اللہ، نساء، 78) دوسرے مقام پر آیا "تمہیں جو اچھائی پہنچتی ھے وہ اللہ کی طرف سے ھے اور جو برائی تمہیں پہنچتی ھے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ھے" (ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک، نساء 79)۔ یہ تو گویا کھلا تضاد بھی ہوا۔

تبصرہ:

آیات کا مفہوم سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ انہیں سمجھنے کے لئے "خدا کی مشیت و ارادے" اور "خدا کے حکم و رضا" میں فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ "سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے" تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز خدا کی مشیت و ارادے کے تابع ہے، اچھائی ہو یا برائی ان میں سے ہر دو اپنی اثر پزیری کیلئے خدا کے ارادے، مشیت و اذن ہی کی محتاج ہے، خود سے مؤثر نہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ 'اچھائی اللہ کی طرف سے نیز برائی تمہارے نفس کی طرف سے ہے' تو اسکا معنی یہ ھے کہ اللہ نے اچھائی کا حکم دیا ہے اور وہ اس پر راضی ھے لیکن برائی کرنے کا اسنے حکم نہیں اور نہ ہی وہ اس پر راضی ھے۔ چنانچہ 'اچھائی خدا کی طرف سے ھے' کا مطلب یہ ھے کہ خدا کے حکم و رضا کے تحت ہے اور 'برائی تمہارے نفس کی طرف سے ہے' کا مطلب یہ ھے کہ خدا نے تمہیں اسکے کرنے کا حکم نہیں دیا لہذا یہ تمہارے اپنے نفس کی پسند ھے۔ پس ان آیتوں کا معنی یہ ھوا:

اچھائی و برائی دونوں اللہ کی مشیت و ارادے سے مؤثر ہیں، از خود نہیں

اچھائی اللہ کے ارادے و مشیت کے ساتھ ساتھ اسکے حکم اور رضا سے بھی ھے

برائی اللہ کے ارادے و مشیت سے اثر پزیر تو ھے مگر اس کے کسب میں اسکا حکم اور رضا شامل نہیں

اس بات کو سمجھنے کیلئے ایک مثال لیتے ہیں۔ ایک سپر سٹور کا تصور کریں جہاں ایک باپ اپنے بچے کے ساتھ کھڑا اپنے بچے کو ھر شے کا فائدہ اور نقصان سمجھا رھا ھے۔ پھر اپنے بچے کو اچھی طرح بتا دیتا ھے کہ فلاں فلاں چیز کے انتخاب میں میں راضی ھونگا اور فلاں فلاں میں میں ناراض ھو جاؤں گا، لہذا تم پہلی قسم کی چیز کا انتخاب کرنا اور دوسری سے بچنا۔ پھر وہ بچے کو انتخاب کا حق دے دیتا ھے۔ اب بچہ سپر سٹور میں چاھے جس بھی شے کا انتخاب کر لے ان معنی میں باپ کے ارادے ومشیت سے ھے کہ انتخاب کا یہ اختیار بذات خود باپ ہی نے دیا ھے اور اگر باپ اسے یہ اختیار نہ دے تو بچہ اچھے یا برے میں سے کسی بھی شے کی چاہت نہیں کر سکتا (ما تشاءون الا ان یشاء اللہ کا یہی مفہوم ہے)۔ اگر بچہ وہ شے پسند کرے جس کا باپ نے حکم دیا اور جس پر وہ راضی ھے تو اب اس انتخاب میں باپ کے ارادے ومشیت کے علاوہ اسکی رضا وحکم بھی شامل ھو گیا اور اگر ایسی چیز کا انتخاب کیا جس سے باپ نے منع کیا تھا تو اس انتخاب میں اگرچہ باپ کا ارادہ ومشیت تو لامحالہ شامل حال ھو گی مگر اسکی رضا اور حکم نہیں۔

مسئلہ تقدیر کے باب سے متعلق بہت سی آیات کو سمجھنے کے لئے "خدا کی قدرت وخدا کی سنت" نیز "خدا کی مشیت وخدا کی رضا" کے فرق کو ذہن نشین رکھنا نہایت ضروری ہے، بصورت دیگر ایسے بہت سے سوالات پیدا ھوتے رہتے ہیں۔

ووٹ کس کو دیں؟

تحریر: عمارہ کنول

آئینِ پاکستان کا آرٹیکل (A)19 کہتا ہے سب کو حق رائے دہی کی آزادی حاصل ہے چاہے کچرے کے ڈھیر پر بیٹھا شخص ہو※ ٹی وی چینل میں بیٹھا صحافی، کالم لکھنے والا صحافی، گھر پر بیٹھی عورت※ کریانے کی دکان پر ناک پر عینک سجائے چچا ہوں یا سکول جانے والا ایک ننھا معصوم طالب علم ہو آزاری حق رائے دہی سب کو حاصل ہے حق رائے نہ صرف بولنے کے لیے※ تنقید کرنے کے لیے※ غلطی کی۔نشاندہی کرنے کے لیے بلکہ عام انتخابات میں اپنا نمائندہ منتخب کرنے کے لیے بھی ہے۔

جمہوری ریاستوں میں عوام اپنے نمائندے کو منتخب کرتے ہیں اصل جمہوریت تو عوام کی※ عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے حکومت ہے۔ پاکستان میں ہر پانچ سال بعد عام انتخابات ہوتے ہیں جو 2018 کے بعد اب 8 فروری 2024 بروز جمعرات کو ہونے جا رہے ہیں۔ الیکشن تو ہو رہے ہیں امیدوار بھی کھڑے ہیں مگر موجودہ سیاسی صورتحال※ سیاسی لوگوں کی گرفتاریاں※ کاغذاتِ نامزدگی مسترد ہونے※ پسندیدہ امیدوار نہ ہونے کی وجہ سے اس سب صورتحال نے حلقہ عوام میں ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ ہم ووٹ کس کو دیں؟ ووٹ دیں نہ دیں؟ جس کو دے رہے ہیں کیا وہ اس قابل ہے کے ہمارے مسائل حل کر سکے؟ جو امیدوار کھڑا ہے اس کا تعلق کس سیاسی جماعت سے ہے؟ ایک سیاسی جماعت پاکستان تحریک انصاف کے الیکشن میں نہ ہونے سے تمام امیدوار آزاد لڑ رہے ہیں سب کے انتخابی نشان مختلف ہیں عوام اپنے آزاد امیدوار کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ ہمارے حلقے میں سے کون کھڑا ہے؟ اس کا انتخابی نشان کیا ہے؟ غرض یہ کہ تاریخ کے پہلے انتخابات ہیں جس میں امیدوار عوام کو نہیں بلکہ عوام امیدوار کو ڈھونڈ رہی ہے یہ ایک مضحکہ خیز چیز بھی ہے اور عوام کا انتخابات میں دلچسپی بھی ظاہر کرتا ہے۔

ووٹنگ کا عمل درحقیقت گواہی اور حکومتی نظم ونسق میں معاون ومددگار کی حیثیت رکھتا ہے، اس لحاظ سے ووٹ دیتے وقت امیدوار کی دیانت وامانت، دین داری، فرض شناسی، خوفِ خدا، حُب الوطنی اور کردار وگفتار کو پیش نظر رکھنا دینی وشرعی لحاظ سے ایک ضروری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پسندیدہ دین کے طور پر شریعت اسلامیہ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا تو اسلام نے اپنے ماننے والوں میں یہ بنیادی عقیدہ راسخ کیا کہ تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد ہیں، لیکن یہ آزادی لامحدود نہیں

جس سے انسان اپنے خالق کا باغی، وحشی اور سرکش ہوجائے، بلکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں۔ اسلام نے انسانوں کو اپنے ہم مثل کی بندگی سے نکال کر خداوند قدوس کی بندگی میں داخل کیا اور انسانوں کی زندگی پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کے نظریے کو پختہ و مستحکم کیا۔ اسلام خلافت کے طرزِ حکومت کو پسند کرتا ہے، جس میں اصل حاکمیت اللہ کی ہوتی ہے۔

عام انتخابات میں ووٹ دینے والا کن بنیادوں پر ووٹ دیتا ہے؟

ووٹنگ کا عمل درحقیقت گواہی اور حکومتی نظم و نسق میں معاون و مددگار کی حیثیت رکھتا ہے، اس لحاظ سے ووٹ دیتے وقت امیدوار کی دیانت و امانت، دین داری، فرض شناسی، خوفِ خدا، حُبّ الوطنی اور کردار و گفتار کو پیشِ نظر رکھنا دینی و شرعی لحاظ سے ایک ضروری امر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پسندیدہ دین کے طور پر شریعت اسلامیہ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا تو اسلام نے اپنے ماننے والوں میں یہ بنیادی عقیدہ راسخ کیا کہ تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد ہیں، لیکن یہ آزادی لامحدود نہیں، جس سے انسان اپنے خالق کا باغی، وحشی اور سرکش ہوجائے، بلکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں۔ اسلام نے انسانوں کو اپنے ہم مثل کی بندگی سے
نکال کر خداوند قدوس کی بندگی میں داخل کیا اور انسانوں کی زندگی پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کے نظریے کو پختہ و مستحکم کیا۔ اسلام خلافت کے طرز حکومت کو پسند کرتا ہے، جس میں اصل حاکمیت اللہ کی ہوتی ہے۔

عام انتخابات میں ووٹ دینے والا کن بنیادوں پر ووٹ دیتا ہے؟

ہمارا ووٹر اچھا جی میں اس کو ووٹ دے رہا ہوں کیونکہ اس نے میری گلی ٹھیک کر دی ※ وہ میری فوتگی پر آ گیا ※ اس نے میرے گاؤں میں گیس لگوائی ※ وہ میری شادی پر آ گیا۔ وہ آپ کا ملک لوٹ رہا ہے لیکن جی وہ میری گلی میں آ گیا سیاستدانوں کو سنیں وہ فلانا میں اس لیے اس کے ساتھ نہیں کیونکہ اس نے مجھے ترقیاتی فنڈ نہیں دیے اس نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملایا خدا کا واسطہ ہے پاکستان کا سوچیں آپ کا ملک نیچے جا رہا ہے بین الاقوامی سطح پر زوال کا شکار ہو رہا ہے۔ بڑی سوچ رکھیں ※ بڑے لوگ بنیں ایک عظیم خواب کا نام ہے پاکستان جو آپ کے رہنماء تھے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح ایک عظیم آدمی تھے علامہ محمد اقبال آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کس قدر ذہین آدمی تھے خدا کا واسطہ ہے اپنے آپ کو اٹھائیں ※ آپ ڈوب رہے ہیں ※ آپ زمین میں جا رہے ہو خدارا ہوش کے ناخن لیں۔ فیصلہ کریں آپ کے ووٹ کس کی امانت ہے آپ اپنے ووٹ کا مستحق کس کو سمجھتے ہیں فیصلہ کریں حقیقت کی بنیادوں پر نا کہ 10 سال پہلے کیے جانے والے فلاحی کاموں کی بنیاد پر 8 فروری کو گھر سے نکلیں اپنے امیدوار کو ووٹ ڈال کر اپنا حق ادا کریں اپنا حکمران منتخب کریں اپنے روشن مستقبل کا فیصلہ خود کریں نا کہ خاندانی روایتوں کو قائم کرتے ہوئے۔

فیصلہ کریں آپکے ووٹ کس کی امانت ہے آپ اپنے ووٹ کا مستحق کس کو سمجھتے ہیں فیصلہ کریں حقیقت کی بنیادوں پر نا کہ 10 سال پہلے کیے جانے والے فلاحی کاموں کی بنیاد پر 8 فروری کو گھر سے نکلیں اپنے امیدوار کو ووٹ ڈال کر اپنا حق ادا کریں اپنا حکمران منتخب کریں اپنے روشن مستقبل کا فیصلہ خود کریں نا کہ خاندانی روایتوں کو قائم کرتے ہوئے۔

اس ملک پاکستان کا روشن مستقبل آپکے ہاتھ میں ہے ووٹ دیں زمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دیں۔ خدارا پلیٹ بریانی اور چند پیسوں کے عوض غلط فیصلہ مت کریں ہوش کے ناخن لیں۔

آپ کا ووٹ اَبابیل کی چونچ میں وہ کنکر ھے

جو پاکستان کے ہاتھیوں سے آپ کی جان چھڑا سکتا ہے

فیصلہ آپکا۔

میں جبر سے الجھی ہوئی کشمیر کہانی
میں چشم عزادار سے بہتا ہوا پانی
میں دشت پہ چھایا ہوا برسات کا موسم
میں کوہ سے آتے ہوۓ نیلم کی روانی
میں شہر میں پھیلی ہوئی ڈل جھیل کا منظر
تاریخ کی آغوش میں پرکھوں کی نشانی
ہنزہ کے پہاڑوں پہ سحر بار اجالا
جیسے کہ ہو نو خیز حسینوں کی جوانی
میں حضرت ہمدان کا برہان کا وارث
میں رشک عدن باغ سلیمان کا وارث
پربت کا گلستان کا ڈھلوان کا وارث
گیتا کا محافظ ہوں میں قرآن کا وارث
صدیوں سے رواداری کی تمثیل رہا ہوں
ایثار کی تاریخ میں ہابیل رہا ہوں
میں جبر و جہالت کا مخالف ہوں ازل سے
میں علم ہنر عشق کی قندیل رہا ہوں
قیمت مری کیا ہے یہ سلاطین سے پوچھو
اشفاق سے مقبول سے یسین سے پوچھو
میں خواب نہیں ہوں کہ بے تعبیر رہونگا
کشمیر تھا کشمیر ہوں کشمیر رہونگا

محمد اسلم رضا

افسانہ۔۔۔غزالہ

از:قلم

نورین خان پشاور

جیسے ہی سورج سنہری کرنوں کے ساتھ افق کے پار ڈوب گیا، گاؤں پر اپنی ممتا بھری ایک گرم روشنی اور چمک ڈالتے ہوئے، ہوا سکون اور توقع کے احساس سے متاثر کن ہوکر چل رہی تھی اور پودے ہوا کے نرم نرم جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ دن بھر کی محنت سے تھکے ہوئے گاؤں والے، گاؤں کے ایک بڑے میدان میں جمع ہوتے، ان کے چہرے ڈوبتے سورج کی نرم رنگت سے منور ہوتے۔ اور گاؤں کے بوڑھے اور بزرگ وہاں بیٹھ کر اپنے دن بھر کی مصروفیات پر گفتگو کرتے،

بچے، اپنے گلیوں میں گونجتے، کھیلتے ان کے قہقہے، دھندلی روشنی میں سورج کی کرنوں کا پیچھا کرتے۔ بوڑھے اپنے برآمدے پر سکون پاتے، اپنی کرسیوں پر ہلکے ہلکے، گزرے دنوں کی یاد تازہ کرتے۔ تازہ پکی ہوئی روٹی کی مہک مقامی گھروں سے اٹھتی ہے، جو راہگیروں کو اپنی طلسماتی خوشبو سے مائل کرتی اور گاؤں والوں کا دل تازی تازی روٹی کے لئے مچلتا۔ گاؤں ایسا لگتا تھا جیسے ڈوبتے سورج نے اس کی روح میں نئی زندگی پھونک دی ہو۔

جیسے جیسے مغرب کا وقت قریب آتا، گاؤں والے ایک کڑکتے الاؤ کے گرد جمع ہوتے، ان کے چہرے ٹمٹماتے شعلوں سے چمک اٹھتے۔ کہانیاں بانٹ کے ایک دوسرے کو سنائی جاتی، داستانیں نسل در نسل منتقل ہوئیں اور آج بھی بچے بزرگوں سے مزیدار اور دلچسپ کہانیاں ں سنتے، گاؤں میں شام کا منظر گرمجوشی اور دوستی اور رواداری کا منظر پیش کرتا، ایک ایسا لمحہ جہاں وقت ساکت سا لگتا تھا۔ کہ یہ وقت کبھی نا گزرے اور سب یوں ہی مزے سے بات کریں، کڑکتی الاؤ کے گرد بیٹھے کر گرم، گرم چائے پیئے، اور مونگ پھلی کھائیں۔

غزالہ کو اپنا گاؤں بہت پسند تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے سہلیوں کے ساتھ درختوں کے جھنڈ میں کھیلتی اور جھولا جھولتی، غزالہ کو کھیت کھلیان، پودے، پھول بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنی سہیلی مہناز سے کہتی کہ اللہ پاک نے جو سورج بنایا ہے یہ تمام دنیا کو منور کرتا ہے، اور تمام عالم میں اپنی روشنی بکھیرتا ہے۔

اللہ پاک نے چاند ستارے بنائے ہیں جو رات کی اندھیری میں دن کی طرح اجالا کردیتے ہیں۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگتا ہے۔

اوراس طرح، جیسے ہی سورج اپنی آخری الوداعی، آسمان کوگلابی اور نارنجی رنگوں سے منور کر رہا ہو، گاؤں والے منتشر ہو جائیں گے، اور اپنے ساتھ ایک اور سحر انگیز شام کی یادیں لے کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ وہ اپنے عاجزانہ ٹھکانوں میں آرام کرینگے اور سو جائیں گے، دل اس خوبصورتی کے لیے تشکر سے بھرے ہوں گے جس نے انھیں گھیر رکھا تھا۔ کیونکہ اس گاؤں میں شام کا وہ منظر جب سورج غروب ہو رہا تھا صرف ایک لمحہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سادہ خوشیوں کی یاد کا پورا خزانہ ہوتا تھا جس نے زندگی کو واقعی جادوئی بنا دیا تھا۔

غزالہ اپنی عادت کے مطابق شام کے وقت اپنی سہلیوں کیساتھ مگن ہوتی۔ مگر جیسے ہی مغرب کی اذان ہوتی، اس کی تمام سہلیاں گھروں کو لوٹ جاتی۔ مگر غزالہ وہاں درختوں اور پودوں کو پانی دیتی۔ ان میں سے کئی پھول کے پودے، تو غزالہ نے خود اگائے تھے، اس لئے وہ پودوں کا بہت خیال کرتی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں رقص کرنی لگی۔ تھوڑی دیر میں آسمان کالے بادلوں میں چھپ گیا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ غزالہ اس منظر کو فطرت کی رنگین نوائی سمجھ کر مزے لینے لگی کیونکہ اس کو قدرت کی حسین رعنائیوں سے بے حد پیار تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے درختوں کی شاخوں سے، اور ہوا کی پر سرار سنسناہٹ سے، اور دریا کے بے قابو موجوں سے، دلفریب نغمے اٹھ رہے ہیں۔ اور اس کی روح کو مست کر رہے ہو۔

غزالہ بیٹی موسم ٹھیک نہیں ہے، بارش ہونی والی ہے بٹیا، اور مغرب کا وقت ہے، اس وقت لڑکیاں درختوں کے نیچے کھڑے نہیں ہوتی بٹیا رانی، گھر لوٹ جاو، باقی پانی کل دے دینا۔ اور ویسے بھی آج تو پودوں کو قدرتی پانی مل رہا ہے۔ دیکھو بارش برسنی والی ہے۔

جی اچھا کریم کاکا گھر جاتی ہوں۔

آ گئی غزالہ! کتنی بار کہا ہے، کہ جوان جہاں لڑکی مغرب کے وقت باہر نہیں نکلتی، مگر تم ہو کی میری بات مانتی نہیں، یہ اچھے لچھن نہیں۔

ہمیشہ کیطرح غزالہ کو اپنی دادی سے ڈانٹ سننی پڑی۔ مگر وہ ان سنی کر دیتی۔

اپنے گیلے بالوں کو ڈوپٹے سے خشک کرتے ہوئے بولی اماں، اماں ایک کوپ چائے کا مل جائے گا؟

اور ماں ہمیشہ کیطرح گرم گرم چائے اور میٹھی گڑ کی روٹیاں اسکے سامنے رکھ دیتی۔

غزالہ کا بہت ہی نرم دل تھا، ہر کسی کی مدد کرنا اسکو اچھا لگتا تھا۔ غزالہ اپنی ہم عمر ساتھیوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، اسے قدرت نے عظیم محبت بھرا دل دیا تھا۔ جو ہر کسی کی تکلیف پر تڑپتا، وہ بڑی ذہین اور ملنسار واقع ہوئی تھی۔ اسکے قہقہوں سے اکثر گاؤں کی فضا گونج اٹھتی تھی۔

جیسے جیسے دن ڈھلتا ہے، گاؤں والے رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگتے ہیں۔ عورتیں رات کا کھانا پکانے میں مصروف ہیں، جبکہ مرد

،جبکہ مرد اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوتے ہیں۔ بچے ادھر ادھر بھاگتے، کھیلتے اور ہنستے، سورج کی آخری کرنوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔آج بھی غزالہ ماں کیساتھ کاموں میں مصروف ہوگئیں۔ ہمیشہ کیطرح اس نے آٹا گوندھا اور سبزی کاٹی۔

اماں چولہے میں آگ دہکا لو سبزی کاٹ لی ہے بس لا رہی ہوں۔جلد پکا لینا مجھے بھوک لگی ہے۔

غزالہ میری بچی سارا دن تم کالج میں پڑھتی ہو، اور شام کو کپڑے سیتی ہو، مگر پھر بھی ہمارا گزارہ نہیں ہوتا، جب سے تمھارے والد کا انتقال ہوا ہے ہم پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔جو رشتہ دار پہلے خیر خبر لیتے تھے وہ بھی اب جان چھڑا کر رستہ بدل لیتے ہیں۔

بس بھو یہ زمانہ ہی ایسا ہے تم کیوں اپنا جی جلا رہی ہو، رب سب خیر کرے گا۔

غزالہ یہ باتیں سن کر پریشان ہو جاتی، کہ میں اکیلے کیسے یہ ذمہ داریاں اٹھاونگی۔اماں گھروں میں کام کاج کر کے زندگی کی گاڑی چلا رہی تھی۔اور اوپر سے دو، دو کھانے والے اور۔

دوسرے دن جب غزالہ پودوں کو پانی دینے کھیتوں میں گئی، تو اسکی سہیلیوں نے اسکا خوش دلی سے استقبال کیا، اور اسے جھولے پر بیٹھایا، مگر اس وقت غزالہ کا چہرہ اترا ہوا تھا۔اور اس کی پیشانی سے حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔سہیلیوں نے بہت پوچھا مگر غزالہ نے جواب نا دیا۔

ساون کے دن تھے، کالی، کالی گھٹاوں کا آسمان پر راج تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں زمین پر گرنے لگی، اور زمین کی سوندھی، سوندھی خوشبو چار سو پھیل گئی۔گاوں کی کھلی فضا اور پھولوں کے پودے اور پیڑ میں جھولا اور شرارتی اور شوخ سہیلیوں کا ساتھ تھا۔اچانک تیز طوفانی بارش شروع ہوگئی۔غزالہ اپنے سہیلیوں کیساتھ بارش میں ناچنے لگی۔اور اسکا لباس پیلے جارجٹ کا ڈوپٹہ اور گہرا نیلے رنگ کا کرتا جو بارش میں مکمل بھیگ چکا۔

دھت رے۔۔آج تو میں پودوں کو پانی بھی نہیں دے پاونگی، ظاہر ہے بارش جو رہی ہے۔جیسے ہی مغرب کی اذان سنائی تھی، سب لڑکیاں اپنے گھروں کو لوٹ گئی۔مگر غزالہ اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی اور بارش کے تھمنے کا انتظار کرنے لگی۔غزالہ جس کا وجود مکمل بھیگ چکا تھا اور لباس بھی باریک تھا اسے بہت سردی لگنے لگی۔

اچانک غزالہ درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔مغرب کا اندھیرا چھانے لگا۔جیسے ہی غزالہ اٹھی اور جانے لگی۔تو اچانک پیچھے سے آواز آئی۔

غزالہ۔۔۔۔۔۔

غزالہ نے طویل سانس لے کر اپنے بالوں سے پانی چھڑکتے ہوئے بولی جی کون؟

پھر سے آواز سنائی دی غزالہ۔۔۔۔

غزالہ نے پیچھے دیکھا تو کوئی نا تھا۔سامنے دیکھا تو میدان خالی تھا،اور بارش ہلکی، ہلکی ہو رہی تھی۔غزالہ جلدی، جلدی وہاں سے بھاگی اور گھر چلی گئی۔گھر پہنچتے ہی اسے بہت تیز بخار ہوگیا۔ساری رات اسکی ماں اسکی پٹیاں کرتی رہی،مگر دو دن مسلسل وہ بخار میں تپتی رہی۔اور تیسرے دن اسکی طبیعت بحال ہوئی تو اپنے معمول کے کاموں میں لگ گئی۔

ایک دن وہ کالج سے گھر آرہی تھی تو راستے میں اسے ایک بوڑھا آدمی ملا بولا غزالہ بیٹی تم ہو؟

وہ بولی جی میرا ہی نام غزالہ ہے۔

بیٹی یہ لفافہ لو اس میں تمھاری امانت ہے۔

اور یہ کہہ کر وہ بوڑھا آدمی چلا گیا۔

گھر آ کر غزالہ نے لفافہ کھولا تو اس لفافے سے ایسی مسحور کن، مدھوش کن خوشبو محسوس ہوئی جس نے اسکی روح تک کو معطر کر دیا تھا۔

ایک گلاب کا پھول تھا اور پورے تیس ہزار روپے تھے۔ایک ساتھ اتنے بڑی رقم دیکھ غزالہ بہت حیران ہوئی مگر سوچنے لگی چلو اچھا ہوا،اس سے ہماری گزر بسر تھوڑی آسان ہوجائے گی۔اس نے وہ سارے روپے الماری میں سنبھال کے رکھے اور کچھ سے گھر کا سودہ سلف، راشن وغیرہ خریدا اور اپنے قرضے چکائے۔

گاوں کا ماحول بہت اچھا تھا۔ساون کے دن تھے۔راتوں میں تھکے ہارے بوڑھے، بچے اور جوان گلیوں میں چار پائی رکھ کے بیٹھ جاتے،اور گپ شپ لگاتے۔دن بھر کی مصروفیات پر بحث اور تبادلہ خیال کرتے رہتے۔ساتھ ساتھ گرم قہوے اور قصے کہانیوں کے دور چلتے۔

اس زمانے میں خواتین اور گھر کی عورتوں کے لئے صرف ریڈیو ہی تفریح کا واحد ذریعہ تھا۔ کھانا پکاتے ہوئے یا گھر کے کام کاج کے دوران غزالہ ریڈیو آن کر دیتی تھی۔ اپنے گھر کی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد غزالہ کو لگا کہ پچھلے دو دنوں سے وہ درختوں کو پانی دینے نہیں گئی، اس کو بہت بے چینی محسوس ہو رہی تھی، مگر اس نے سوچا آج تو جاونگی، مگر شام کا وقت نکل چکا تھا۔ اور مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ غزالہ نے دادی سے بہانہ بنایا، کہ مہناز کے گھر کام ہے، ابھی واپس آتی ہوں۔ اور گھر سے نکل گئی۔

درختوں کے پاس پہنچ گئی۔ اور پانی برتن میں ڈالنے لگی اچانک اسے بہت تیز خوشبو محسوس ہوئی مگر اس نے اتنا دھیان نہیں دیا۔

غزالہ۔۔۔۔

غزالہ تم دو دنوں سے کیوں نہیں آئی۔۔

میں بہت بے چین تھا، تڑپ رہا تھا۔

غزالہ ایک دم ڈر گئی۔

یا خدا یہ آواز کس کی ہے۔ اور ڈر کے مارے جتنی سورتیں اسے یاد تھی پڑھ ڈالیں۔

اچانک قہقہے کی آواز سنائی دی، ارے پگلی آیت الکرسی بھی پڑھ لو میں بھی مسلمان ہوں الحمدللہ اور میں تو قرآن کا حافظ ہوں۔

اچانک کوئی سورہ رحمان کی تلاوت کرنے لگا اور ایسے مدھوش کن اور دلفریب آواز میں تلاوت کر رہا تھا، جیسے کانوں میں شہد گھول رہا ہو، اسکی تلاوت سے اسکی روح جیسے تروتازہ ہو رہی تھی۔

ارے پگلی تم نے چند سورتیں پڑھی ہیں میں تمھیں پورا قرآن سنا سکتا ہوں۔

غزالہ پھر سے ڈر گئی۔

یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

مگر اسے کچھ نظر نا آیا اس نے دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک تھیلا پڑا تھا اس میں رنگ رنگ کے خوبصورت کپڑے اور ریشمی ڈوپٹے پڑے ہوئے جو نا کسی نے دیکھے ہونگے نا خریدے ہونگے۔

غزالہ وہ تھیلا اٹھا کر گھر جانے لگی ساتھ ساتھ آیت الکرسی پڑھ کر خود پر پھونکتی گئی۔ اور خیریت سے گھر پہنچ گئی اس نے اس واقعے کا کسی سے ذکر نا کیا۔

ایک دن اماں پڑوس کے گھر گئی ہوئی تھی اور دادی کمرے میں سو رہی تھی۔ غزالہ نے گھر کے کام نمٹا لیئے، اور کپڑے بدلنے کے بعد، اپنی

غزالہ نے گھر کے کام نمٹا لئے، اور کپڑے بدلنے کے بعد، اپنی من پسند جگہ جانے لگی ان درختوں میں بیری کا ایک بڑا اور گھنا درخت غزالہ کو ہمیشہ سے بہت اچھا لگتا تھا اور بیری کے درخت کے اوپر آنے والے پرندوں کوئل، مینا، کوئے، طوطے، اور چڑیا، کبوتر اور فاختہ وغیرہ آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اور غزالہ ان پرندوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔

غزالہ جیسے ہی وہاں گئی، سب پودوں کو پانی دینے کے بعد بیری کے درخت کے نیچے کالج کہ کتابیں نکالی اور پڑھنے لگی۔

اچانک اسے آواز سنائی تھی۔

غزالہ۔۔۔

غزالہ تم آ گئی۔

آج غزالہ کو ڈر نہیں لگ رہا تھا اس نے بے خوفی سے جواب دیا۔۔۔

ہاں میں آ گئی ہوں مگر تم کون ہو؟ مجھے نظر کیوں نہیں آتے؟

غزالہ میری بات سنو۔۔

کل تم قریبی سکول جاو وہاں تمھاری نوکری لگ چکی ہے۔

کیا کیا۔۔۔ نوکری؟

ہاں تم شام کے وقت اب بچوں کو پڑھاوگی اور تمھاری مشکلات حل ہو جائے گی۔

یہ سن کر غزالہ بہت حیران ہوئی، کہ نجانے یہ آواز کس کی ہے؟ کون ہے؟ ان سوالوں میں وہ الجھی ہوئی تھی۔ مگر اس کو یہ اندازہ ہوا کہ جو کوئی بھی ہے، کم از کم مجھے نقصان نہیں پہچا رہا۔ اس بات پر غزالہ بہت مطمئن تھی، اور کسی سے ذکر نہیں کرتی تھی۔

دوسرے دن غزالہ قریبی سکول گئی، تو اسکی پرنسپل نے کہا کہ مس غزالہ آپکی درخواست تو کب کی ہمیں مل چکی ہے، اور آپکی نوکری پکی ہے، اب اپکو ہر مہینے سرکار سے دس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ ملی گی۔ صبح کے وقت رانی، شازیہ بچوں کو پڑھاتی ہیں اور شام کے وقت تمھاری ڈیوٹی ہوگی۔

غزالہ بہت زیادہ خوش ہوئی اور راستے میں مٹھائی والے سے ڈھیر ساری مٹھائی خریدی اور گھر میں دادی اور ماں کو خوش خبری سنا دی۔

سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔

غزالہ نے مٹھائی کا ایک ڈبہ اپنے بیگ میں رکھا اور شام کو بیری کے درخت کے پاس گئی۔ گاوں کی ساری لڑکیاں گھروں کو لوٹ چکی

تھی۔کسان گھروں کو واپس جا رہے تھے۔مغرب کا اندھیرا دھیرے دھیرے چھانے لگا۔

غزالہ بیری کے درخت کے نیچے بیٹھ گئ۔

غزالہ۔۔۔

غزالہ تم آ گئی۔۔۔آہ میری روح شاد ہو گئی۔

اچانک غزالہ کے بال ہوا میں لہرانے لگے جیسے تیز ہوا کا جھونکا چھو گیا ہو۔

ہاں میں آ گی ہوں،اور یہ دیکھو تمھارے لئے مٹھائی لائی ہوں۔

کیا کہا مٹھائی۔۔۔یہ سن کر وہ آواز بہت خوش ہوئی اور جواب دیا تم جانتی ہوں، کہ مجھے مٹھائی بہت پسند ہے۔

اچانک اسکے سامنے سفید لباس میں ایک لڑکا نمودار ہوا جس کا قد کافی بلند تھا اور اسکی نیلی نیلی حسین آنکھیں تھی جیسے گہرا نیلا سمندر ہو۔

اتنا حسین اور خوبرو لڑکا آج تک غزالہ نے نہیں دیکھا تھا اپنی پوری زندگی میں۔۔۔

غزالہ اس کو دیکھ کے بولی اچھا تو تم ہو میرے محسن۔۔۔

ہاں میں ہو میں نے ہی تمھیں روپے بھجوائے تھے،اور میں نے ہی تمھاری مدد کی۔کیونکہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔بہت زیادہ محبت کرتا ہوں۔

مگر میں نے تو تمھیں کبھی گاوں میں نہیں دیکھا؟

میری غزالہ!میں گاوں میں نہیں رہتا۔

میرا نام جعفر جن ہے۔میں قبیلہ جنات سے ہوں۔اس دن میں تھکا ہوا تھا اور اس بیری پر آرام کر رہا۔کہ تم ان درختوں اور پودوں کو پانی دے رہی تھی۔مجھے تمھاری یہ نیکی بہت پسند آ گئی۔اور اب روز تمھارا ہی انتظار کرتا ہوں۔

میں تمھیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔اس لئے میں تمھارے جسم میں داخل بھی نہیں ہوتا کہ اس سے تمھارے وجود کو تکلیف اور درد ملے گا۔

جعفر جن تم واقعی بہت عظیم ہو۔

مجھے تم پر فخر ہے۔

غزالہ نے کہا کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟

جعفر جن نے کہا ہاں ضرور کرتا شادی مگر۔۔۔

مگر کیا۔۔۔
مگر میں مسلمان جن ہوں حضرت محمد ﷺ کے امت میں سے ہوں اور میں زبردستی شادی کے حق میں نہیں ہوں۔ کیونکہ تم آدم آزاد ہو۔
اس لئے میری طرف سے تم مکمل آزاد ہو۔
میں بس تمھاری روح سے محبت کرتا رہوں گا۔
تم کبھی کبھی درود شریف اور تسبیح پڑھ کر میری روح کو بخش دینا۔
میں ہمیشہ تمھیں دعا دیتا رہوں گا۔
اب تم اپنی زندگی میں کامیاب ہو اپنے پیروں پر کھڑی ہو اور اسی طرح رب العالمین کی مخلوق کی بے لوث مدد کرنا۔ کیونکہ ہم نیک اور شریف لوگوں کے پاس خود بخود آتے ہیں۔
اب تم جاو۔ گھر جاسکتی ہو اور آج کے بعد میں تمھیں نظر نہیں آوں گا۔
غزالہ کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے اور وہ شکریہ بھرے نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔۔اور جعفر جن غائب ہوگیا۔
محبت امر ہوتی ہے مرتی نہیں۔۔۔۔
غزالہ روتے ہوئے گھر کی جانب روانہ ہوئی۔
ختم شد۔

آج کے افسانچے

آج کے افسانچے

رمشا خالد پاکستان

حق:

رمشاء خالد:

روحی بیٹا پراٹھا بھائی کے لیے رہنے دو تم یہ والی روٹی کھالو× اقرا نے سوکھی روٹی اسے دیتے ہوئے کہا۔

امی جان! وہ کچھ کہتے کہتے رکی اور کھانا کھانے لگی کہ بابا کی وفات نے اسے بہت سمجھدار بنا دیا تھا۔

یہ لیگ پیس بھائی کے لیے رہنے دو۔مہینہ بعد گھر میں چکن بنتا تو اماں کو بس بھائی کی فکر ہوتی۔

روحی نے شکایت بھری نظروں سے ماں کو دیکھا اور کھانا کھائے بغیر ہی اٹھ گئی۔

روحی بیٹا باپ کے بعد بھائی آسرا ہوتے ہیں بیٹیاں تو پرائی ہوتی ہیں۔وہ سونے سے پہلے اسے سمجھا رہی تھی۔

اور وہ بنا شکایت کیے سمجھ گئی۔

دستک کی آواز پر اس کی ملازمہ نے دروازہ کھولا تو بھائی امی کے ہمراہ کھڑا تھا۔اس نے بھاگ کر ماں کو گلے سے لگایا اور بولی!

بھائی اندر آجائیں نہیں میں بس امی کو چھوڑنے آیا ہوں تمہاری بھابی کہہ رہی تھی کہ ایک مہینہ امی کو تم رکھا کرو اور ایک مہینہ ہم آخر کو تمہاری ذمہ داری بھی تو ہے نا اور امی کا تم پر حق بھی۔

اماں سائیں اتنے سارے زیورات کپڑے اور یہ پھول کس لیے ہیں؟

تمہاری شادی ہے آج

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بابا سائیں مولوی صاحب کے ہمراہ کمرے میں آئے اماں نے اسے چادر اوڑھا دی تھی-

بولو بیٹا قبول ہے-دولہے کا نام سن کر وہ ساکت ہو چکی تھی- ساٹھ سالہ جابر خان ان کا سب سے بڑا دشمن اس کے سر کا سائیں کیسے ہو سکتا ہے-

وہ غش کھا کر گر چکی تھی-اماں نے اس کا انگوٹھا نکاح نامے پر لگایا※ اور

حویلی کے باہر گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں اعلان ہوا!

دونوں قبیلوں کی پچاس سالہ دشمنی کا خاتمہ ہو گیا ہے-

نوٹ:

رمشاء خالد:

سڑک کے ایک طرف بہت عرصے سے کچی بستی آباد تھی دوسری طرف ایک میرج ہال تعمیر ہو چکا تھا-آج پہلا فنکشن تھا-

لڑکے والے بہت امیر تھے-ہزار اور پانچ سو کے نوٹ بارش کی طرح برس رہے تھے-اور اس غریب بستی کے لوگوں کے خواب جو برسوں سے ان کی آنکھوں کی دہلیز پر ترس رہے تھے-وہ پورے ہونے والے تھے-ان کو سمیٹنے کے لیے بچے بڑے ایک دوسرے کو قدموں تلے روندر ہے تھے-

بارات میرج ہال میں داخل ہو چکی تھی-اور نوٹ اٹھاتی بھیڑ میں بوڑھی اماں خیراں آخری سانس لے چکی تھی-اس کے ایک ہاتھ کی مٹھی بہت مشکل سے کھلی تو اس میں پانچ سو کا نوٹ موجود تھا-

سیاست:

رمشاء خالد:

بہت مبارک ہو آپ کو میری دلی خواہش تھی- ہم اس میں ضرور شامل ہوں* مگر آپ تو جانتے ہیں کہ الیکشن کے دن ہیں- اور صحافی گڑے مردے بھی اکھاڑ لاتے
ہیں-
بالکل ایسا ہی ہے- آپ کی بی ایم ڈبلیو کے لیے بہت شکریہ آپ کے بھتیجے کو شادی کا یہ تحفہ بہت پسند آیا
ٹی وی ٹاک شو میں بیٹھے ان کے نمائندے ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے-

بھوک:

رمشاء خالد:

اور لاؤ----- اور چاہیے----- دولت کے انبار تھے جن کے نیچے غریبوں مسکینوں اور یتیموں کا حق دبا ہوا تھا- اس کا نفس اسے اکساتا رہا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے دو بیٹوں کے لیے پیسہ سمیٹتا رہا-
دن رات کھاتے کھاتے بات آخری لقمے تک آ پہنچی آنکھیں پتھرا گئی وقت جیسے ٹھہر گیا تھا- اور پھر یوں لگا جیسے ان گنت کانٹوں کی جھاڑیوں میں اس کے وجود کو گھسیٹا جا رہا ہو اس کے کانوں میں آخری آواز اس کے بیٹوں کی پڑی شایان پیپرز پر انگوٹھے لگوا لو یہ تو بس گئے-

احساس انسانیت:

رمشاء خالد:

مسز ہمدانی وہ دیکھیں اسٹیج پر بیٹھی خاتون کے جوتوں کی طرف کتنے آؤٹ فیشن ہیں نارفعت نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا!اور کپڑے بھی کتنے سستے ہیں

پتہ نہیں کیسے کیسے لوگوں کو پارٹی میں بلا لیتی ہیں سامعہ بھی

ایسا ہی ہے اتنے بڑے بڑے لوگوں میں ان جیسوں کو بلا کر ہم لوگوں کی توہین کرتے ہیں یہ

لیڈیز اینڈ جینٹل مین میری آج کی یہ پارٹی جس عظیم ہستی کے نام ہے اس سے ملنا آپ بھی باعث فخر سمجھیں گے تو آ رہی ہیں ہماری این جی او احساس انسانیت کی بنیاد رکھوانے والی مسز رمضان اس کے سستے کپڑوں اور جوتوں کے سامنے

تالیوں کی گونج میں نسیم اور مسز ہمدانی کو اپنا قد بونے جیسا لگ رہا تھا-

عزت:

رمشاء خالد:

میں جو چاہتا ہوں وہ حاصل کر کے رہتا ہوں جانتے ہو تم اور پھر پیسے میں بڑی طاقت ہے-اس کی جھنکار پر ایمان بکتا ہے-اصول بکتے ہیں انسان بکتے ہیں-اس معمولی سی لڑکی کو نہیں خرید سکے تم میں ایک عزت دار بندہ ہوں اور وہ مجھے منع کر رہی ہے

اٹھوا لیتے ہیں سر اور تو کوئی حل نہیں

جو چاہو کرو مگر مجھے وہ اپنے سامنے روتی گڑگڑاتی ہوئی چاہیے

سر برا نہ مانیں تو اس کا قصور پوچھ سکتا ہوں

اس کا اپسرا اوں والا حسن سمیر حسن

او کے سر ہانیہ نے خودکشی کر لی یہاں سے جاتے ہی سمیر نے اطلاع دی تم کیوں ٹینشن میں ہو؟

اس نے وڈیو بیان میں سب حقیقت بتا کر اپنی نس کاٹی تھی یہ وائرل ویڈیو سے پتہ چلا ہے

قیمت:

رمشاء خالد:

کیا کھا رہی ہو چھپ کر؟ رجو نے کچرے کے ڈھیر پر بیٹھی ثمی سے پوچھا۔

چچ------چاکلیٹ--

ابھی تو کچرا اٹھا رہی ہیں ہم، پھر پیسے کہاں سے آئے؟

آپی ایک چاچا نے دیا ہے۔ ادھر بیٹھا تھا-

چودہ سالہ رجو کا دل لرز اٹھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ چمٹاتے ہوئے بولی آج کے بعد کبھی مت لینا کسی سے چاکلیٹ۔ اس کی قیمت بڑی دردناک ہوتی ہے۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

ریزہ ریزہ ٹوٹ رہی ہوں، اب تو مجھ کو جوڑ وے سائیاں
رنج اور غم کا یہ کاسہ اب اپنے کرم سے توڑ وے سائیاں

دامن میرا خالی خالی، آنکھیں بھی ہیں مری سوالی
راہ مسلسل ہے یہ جیون، منزل ول اب موڑ وے سائیاں

کوئی وظیفہ میں کب جانوں، اپنا من کیا میں پہچانوں
میری منزل تیرا در ہے مت رستے میں چھوڑ وے سائیاں

الجھے لیکھ ہیں میرے سائیاں، درد مجھے ہیں گھیرے سائیاں
جیتے جی میں مر ہی نہ جاؤں، رحمت کو جھنجھوڑ وے سائیاں

جس نے مجھ کو مار دیا ہے، یہ اجڑا اسنسار دیا ہے
اس بدبختی اور اس سختی کی اب آنکھیں پھوڑ وے سائیاں

میرے اندر مر گیا کوئی، درد سمندر بھر گیا کوئی
ڈوبنے والی جیون کشتی رخ ساحل ول موڑ وے سائیاں

ادھ ادھوری ذات ہے میری، بے تاثیری بات ہے میری
سن شاہین کی بپتا اب تو، مت اس کا دل توڑ وے سائیاں

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

یہ دیکھ تو کیسے کٹ رہی ہے مری حیاتی اے میرے سائیاں

تو کر دے کم اب مرا یہ غم، وہ بھی کائناتی اے میرے سائیاں

دھواں دھواں ہے یہ آنکھ میری، لہولہو میرے پاؤں بھی ہیں

ہے شام ہجر اب تو روز ہی غم کی لو بڑھاتی اے میرے سائیاں

۔یہ اجلے چہرے، یہ من ہیں کالے، یہ کیسے کیسے ہیں روپ دھارے

عجیب تاریکی ان کے من میں ہے جگمگاتی اے میرے سائیاں

گلہ نہ کوئی زمیں سے اب تو، نہ ہی جہاں سے ہے کوئی شکوہ

یہ عشق تصویر بھی فریب اب ہے کیوں دکھاتی اے میرے سائیاں

۔۔ہے عشق اول، ہے عشق آخر، کہ عشق تو تیرا روپ ہے بس

کہ من میں ہے تیرے ذکر سے ضو یہ جھلملاتی اے میرے سائیاں

۔میں اس کو جی کے تو دیکھ بیٹھی ہوں، زندگی سے گلہ نہیں ہے

ہے میرے خوابوں کی لاش کا بوجھ یہ اٹھاتی اے میرے سائیاں

۔سفر یہ کیسا سفر ہے جس کی نہیں ہے کوئی خبر مجھے اب

ہے تیری تقدیر کیسے کیسے زماں دکھاتی اے میرے سائیاں

سلگ رہی ہے یہ دھیرے دھیرے، جھلس رہی ہے یہ سائے میں بھی

ہے کملی تیری ثنا کے تیرے یوں گیت گاتی اے میرے سائیاں

یہ شاہین سانسیں تو لے رہی ہے، ترے ہی کن کی ہے آس اس کو

مزار پر اپنے روز و شب ہے دیئے جلاتی اے میرے سائیاں

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ ڈیرہ غازی خان

غزل

تمہارے اور ہمارے یہ روبرو کیا ہے
اگر یہ پھول نہیں ہے تو پھر یہ بو کیا ہے
یہ وہ معمہ ہے جسکو سمجھ سکا نہ کوئی
گلوں میں اور یہ بلبل میں گفتگو کیا ہے
اگر سمجھنا ہے پیرِ مغاں سے پوچھ لو تم
یہ جام و مینا ہے کیا ساغر و سبو کیا ہے
طواف کرتا ہے یہ چاند رات بھر سرِ عرش
کسی حبیب کی کرتا یہ جستجو کیا ہے
وہ آبرو کے لئے جان دے بھی سکتے ہیں
جو جانتے ہیں حقیقت میں آبرو کیا ہے
اسی سے ہوتی ہے ناداں و دانا کی پہچان
سمجھ میں آتا ہے اندازِ گفتگو کیا ہے
یہ سچ ہے نور نہ غالب سا ہو سکا کوئی
کسی کے دل میں کوئی اور آرزو کیا ہے

ڈاکٹر نور فاطمہ
مغل سرائے - چندولی

غزل۔

سانسوں کی اُلجھی۔ اُلجھی پہیلی میں قید ہے
ہر شخص زندگی کی حویلی میں قید ہے۔
میں نے حنا سے نام لکھا تھا کبھی ترا
خوشبوءِ عشق اب بھی ہتھیلی میں قید ہے۔
دِلّی گئی میں جب تو مرا دِل دھڑک اٹھا
کیسے کہوں کہ دِل یہ بریلی میں قید ہے۔
تتلی کے پر کو دیکھ کے میں سوچتی رہی
دُنیا کی دِل کشی اس اکیلی میں قید ہے۔
بھونرا فدا ہے سب پہ کہ اُس کی خوشی فقط
چمپا میں قید ہے نہ چمیلی میں قید ہے۔
عطیہ کو اپنی جان وہ کہتا تھا کل مگر
اب اُس کی جان، میری سہیلی میں قید ہے۔

عطیہ نور۔
پریاگ راج
اُتر پردیش۔

عنوان: زندگی تخیلات سے سنورتی ہے

تحریر: حناء شاہد

زندگی ایک مشکل اور جذباتی سفر ہے جو ہمیں مختلف حالات اور مواقع کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ یہ سفر ہمیں کبھی خوشیوں کی روشنی میں لے جاتا ہے، جبکہ کبھی تنہائی اور غم کی تاریکیوں میں گم کر دیتا ہے۔ زندگی کا ہر ایک موقع اور حالات ہمیں ایک نئی تشویش یا خوشی کا موقع فراہم کرتا ہے۔

ہماری زندگیوں میں کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جب ہمیں اپنے تخیلات کے ساتھ زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ ہم اپنی خوابوں اور تصورات کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، اور انہیں حقیقت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے تخیلاتی لمحے ہمیں مختلف زمینوں پر لے جاتے ہیں، جہاں ہم جدید اور غیر معمولی تجربات کرتے ہیں۔

زندگی کی تخیلاتی سفر میں، ہم اپنی مخلوقت کے حدود سے باہر نکل کر، نئی ممکنات کو جاننے کا موقع پاتے ہیں۔ ہمیں خود کو محدود عناصر سے آزاد کرنے کا موقع ملتا ہے اور ہم نیا آسمان دیکھنے کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ اس سفر میں، ہمیں اپنی خواہشات کو پہچاننے اور ان کو حقیقت میں تبدیل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اگرچہ زندگی کبھی کبھار دشواریوں اور رکاوٹوں سے بھری ہوتی ہے، مگر ہماری تخیلات اور خواب ہمیشہ ہمیں اگے بڑھنے کی راہ دکھاتے ہیں۔ یہ ہمیں توانائی دیتے ہیں کہ ہم مشکلات کا مقابلہ کریں اور نئے اور بہترین کی طرف بڑھیں۔

زندگی تخیلات کی روشنی میں روشن اور رنگین ہے۔ اسے بے خودی اور جذبات کے ساتھ جینا چاہئے، اور ہمیشہ اپنے خوابوں کی تلاش میں محنت کرنی چاہئے۔ اسی طرح، زندگی کے تخیلاتی جہاز میں سوار ہو کر، ہمیں ہر مقام کی تلاش میں نیا راستہ دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زندگی کا سفر ایک تخیلاتی ماحول میں سنورتا ہے، جہاں ہمیں ہر روز نئے اور دلچسپ تجربات کا موقع ملتا ہے۔ ہمیں اپنے تخیلات کے ساتھ سفر کرتے ہوئے، زندگی کو ایک معنی خیز اور خوشحال تجربہ بنانے کا موقع ملتا ہے۔ اور ہمیں ان مواقع سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی زندگی کو حسین سے بھی حسین تر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ختم شد

ازقلم؛ فائزہ سراج نذیر

دن بھر کی تھکان کے بعد تھوڑا اسکون پا کر ستانے لیٹی وہ لڑکی جو کبھی ہنستے سوتے کھاتے اور باتیں کرتے تھکتی نہیں تھی اور آج صرف خیالوں میں گم آسمان کو تک کر سوچ رہی تھی۔

کیا ہوا ہے تجھے؟ جب سے کالج سے آئی ہو غصے سے لال ہی ہوتی جا رہی ہو۔ زارا نے سارا کی حالات دیکھ کر پوچھا۔
کیا کہوں! کیوں ہمارے معاشرے میں لڑکیوں پر ہی اتنا ظلم ہوتا ہے؟ صرف وہی کیوں سب کا خیال رکھیں؟ کیا جنت صرف انہی کے لیے ہے یا پھر حساب وکتاب لڑکیوں کے لیے ہی بنتا ہے؟ سارا جذبات میں آکر سوال پر سوال کرنے لگی۔
نہیں سب کے لیے ہوتیں ہیں پر تم کیوں اتنا بھڑک رہی ہو؟ آخر کس نے اتنا ظلم سہہ لیا؟ زارا تنگ آگئی کیوں کہ اسے اپنی بہن کا اچھے سے پتا ہے کہ اس کی سوچ کیا ہے؛
جب بھی کسی کے ساتھ ظلم یا زیادتی دیکھ لیتی ہے تو اس کے گھر میں عدالت لگ جاتی ہے انصاف کی، چوں کہ اس کی دسترس بھی تو صرف گھر پر ہی ہوتی ہے۔
زیمل نے کالج چھوڑ دیا اپنی میاں کے کہنے پر۔ بوجھل سی آواز کے ساتھ سارا نے بتایا۔
مگر کیوں اس کے شوہر نے ایسا کیا؟ یہ تو بس آخری سیمسٹر جاری ہے۔ زارا کو تو جیسے جھٹکا لگا۔
چوں کہ زیمل سارا کی اچھی دوست تھی اور اس کے گھر میں بھی آنا جانا رہتا تھا جس کی وجہ سے زارا کو اس کے بارے میں کافی حد تک جان کاری تھی اور جھٹکا اس لیے لگی کہ اسے یہ علم با خوبی تھا کہ زیمل کلاس کے ٹوپرز میں سے تھا اور ساتھ میں اسے آگے بھی پڑھ کر بڑھنا تھا۔ یوں بیچ راستے میں تعلیم چھڑوانا اس کی سمجھ سے باہر تھی۔
کیوں کہ میاں جی تو پورا دن کام پر ہے اور اس کی دونوں بہنیں پڑھتی رہیں اور زیمل گھر بیٹھ کر اس کی امی جی کی سیوا کرے ※ سارا آگ بگولہ ہو کر بتانے لگی۔ دونوں بہنوں کو بہت افسوس ہوا پر اس سماج کے آگے کسی اک لڑکی کی تو آواز کو فوراً چھپ کرایا جاتا ہے، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بالکل زیمل جیسا عکس سارا کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

لڑکی لاکھ کوشش کریں حق کی بات کرنے کی گر اس کے گھر والے ساتھ نا دیں تو وہ بھی ڈوب ہی جاتی ہے۔

کالج میں بی-اے مکمل ہوتے ہی سارا کے لیے اچھے گھر سے رشتے آنے شروع ہوگئیں تو اس کی ابو نے رشتہ تہہ کر کے اسے بیاہ دیا اور یہ بھی نہیں سوچا کہ بیٹی آگے پڑھنا چاہتی ہے یا نہیں البتہ شادی کے معاملے میں اس کی رضامندی بس پوچھی گئی جس کے جواب میں سارا نے پھر سوال کیا؛

کیا مجھے شادی کے بعد پڑھنے یا پھر نوکری کرنے کی اجازت دی جائے گی؟

جس کے جواب میں اسے تسلی دی گئی کہ ضرور دیں گے تو سارا نے حامی بھر لی، کیوں کہ اسے علم تھا کہ اس کی ابو کو-ایجوکیشن کے خلاف ہے تو ویسے بھی اب اس گھر میں اور پڑھائی تو نہیں۔ بس دوسرے گھر میں جا کر اپنی خوابوں کو پورا کر پائے گی

---------------- -------------

تھی تو وہ عدل اور انصاف کی بات کرنے اور اپنی بات پر ڈٹ جانے والی لڑکی مگر اپنے ابا کا لحاظ اس کی سر آنکھوں پر تھی، باقی تو کالج کے بعد پڑھانے کی اجازت تھی پر لڑکوں کے ساتھ پڑھنے پر رضامند نا تھا۔

پر خیر شادی کے بعد کچھ وقت تھا یونیورسٹی کے داخلے میں تو سارا کو ذیشان نے تسلی دیا کہ وہ خود اس کی فارم جمع کروائیں گا جس سے سارا پرسکون ہوئی۔ وقت گزرتا گیا جب بھی سارا نے ذیشان کو داخلے کے حوالے سے پوچھنا چاہا اس نے ٹال دیا جس سے سارا کے ارمان ٹوٹتے جارہے تھیں پر ہر بار وہ خود کو تسلی دیتی تھی کہ سب خیر ہوگا۔

اور آج بھی وہ گھر کے کام کر کے تھکی ہاری یہی سوچ رہی تھی کہ سب خیر ہوگا، گر لڑکیاں اپنے سسرال میں زبان نہیں چلاسکتی پر اوپر والا سب دیکھ رہا ہے اور دل کی بات سن لے گا۔

سارا کو جھوٹی تسلی دیتے دو سال گزر گئے آخر اس کو بھی گھر پر اپنی امی کی خدمت کے لیے بیٹھا دیا جس پر سارا صبر کر رہی تھی کہ شاید کوئی معجزہ ہو کر اس کی خواہشات پوری ہو جائیں۔،

سردی ہو یا گرمی ✕ جب بھی ہماری آنکھ سے آنسو نکلتا ہے تو گرم ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کے نکلنے سے پہلے ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے۔
جب ہماری برداشت آخری حدود کو چھوتی ہے تو گرم ✕ گرم آنسو آنکھ سے ٹپکتا ہے۔
ہاں ✕ کبھی کبھی آنسو خوشی کے بھی ہوتے ہیں۔
جذبات خوشی کے ہوں یا پھر غم کے ہوں، دونوں صورتوں میں دل تیزی سے دھڑکتا ہے۔
آنسو اگر خوشی کے ہوں تو اک الگ سرور کے ساتھ ✕ کچھ انوکھا پا لینے کا احساس بھی دیتا ہے کیونکہ ان آنسوؤں میں اپنے پن کا احساس موجود ہوتا ہے لیکن جو آنسو درد و اذیت میں بہائے جائیں انکا نعم البدل نہ تو ہمارے پاس ہوتا ہے اور ہمیں نہ ہی اسکا نعم البدل کہیں سے مل سکتا ہے۔
جب ہم درد میں اپنے آنسو خود صاف کریں تو اس وقت ہم اذیت کی انتہا کو چھوتے ہیں۔
ہاں ✕ تب زندگی سے گلے شکوے بھی بہت ہوتے ہیں۔ کبھی گزرے وقت کی ساعتیں بتاتی ہیں کہ ہم کیا کچھ کھو چکے ہیں لیکن ہمیں اذیت کے لمحے ہی بتاتے ہیں کہ ہم کتنے باہمت ہے۔
کوئی کسی کے بغیر مرتا نہیں ہے لیکن ہم کچھ لوگوں کے بنا جینے کا مفہوم تک بھول جاتے ہیں۔ پھر ہم جینے کے لیے خود سے لڑتے ہیں اور پھر جو شخصیت ہم خود میں تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ کسی کو یہ حق نہیں دیتی کہ کوئی ہماری آنکھ سے آنسو نکلنے کی وجہ بنے۔
یقین جانیے ✕ ہم تب تک کوئی خوشی و غم نہیں دے سکتا ✕ جب تک ہم اسے حق نہ دیں۔ ہماری ذات پہ سب سے پہلا حق ہمارا اپنا ہے۔
اپنی ذات کو اتنا مضبوط بنائیں کہ کوئی چاہے بھی تو آپ کو توڑ نہ سکے۔ یہ زندگی اللہ پاک کی امانت ہے۔ اسکی اللہ پاک کے بعد خود کے لیے حفاظت کریں۔

میرے آنسوؤں کا جو موجب تھا
میں نے بھلا دیا
زندگی ہے اک پر اسرار نغمہ
بس کبھی رو دیا
کبھی گنگنا لیا
کبھی جیتے جی خود کو آزما لیا
کبھی خود کو پا لیا
اے زندگی دیکھ ※ میری لغزشیں
اس دل کی سازشیں
کتنے اثاثے میں نے اپنے کھو دیئے
کچھ سرِ راہ تیرے کرم سے پا لیے

از حناء ارشاد

تانیہ صفیان

وہ کتابوں کی دیوانی میں سُروں کا شیدائی

ہم اکثر چیزیں کھودیتے ہیں۔ مثلاً اپنی کھنکتی ہوئی آواز، اپنی سچی مسکراہٹ، اپنی پیاری یادیں، اُف یہ بھولنے کی عادت۔ میرے گرد آوازوں کی ایک بھیڑ ہونے کے باوجود ایک گہرا سناٹا ہے۔ کبھی یہ پہروں میرا مہمان رہتا ہے اور کبھی مجھ پر مہرباں بھی ہوجاتا ہے۔ میں ہنسنے لگتا ہوں، گنگنانے لگتا ہوں۔ لیکن اگر اس وقت آئینے میں دیکھ لوں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ میں نہیں ہوں، کوئی اور ہے۔

مجھے بہت یاد آتا ہے پرانی باتوں کا ایک بکسہ ※ جس میں بڑی قیمتی چیزیں تھیں۔ امی ابو کی شفقت، بہن بھائیوں سے لڑائیاں اور پھر اک دوسرے کو منانا۔ آنگن میں کھیلی ہوئی کرکٹ اور آوٹ ہوجانے پر شور مچانا۔ سکول ٹیچر کی پھٹکار اور وہاں کے نیم سایہ دار۔ پھر اک دن تمھیں پانا اور تمھیں پانے کے کچھ عرصے بعد ہی وہ بکسہ گم ہوگیا۔ بہت ڈھونڈا، تمہارے تکیے کے اوپر، اپنے دل کے اندر، اس چھوٹے سے کمرے میں جہاں اب کوئی نہیں رہتا۔ ان جمع کیے ہوئے کارڈز میں جن کے لفظوں میں صرف سچائی تھی اور بارش سے بھیگے لان میں بھی جہاں ہم بیٹھا کرتے تھے۔ تم کتابوں میں گم الفاظ میں جیا کرتی تھی۔ اور تمھیں دیکھ کے سُر میرے اندر اترا کرتے تھے۔ سانس تم لیتی تھی زندگی میں جیا کرتا تھا۔ لفظ ہمارے اردگرد طواف کیا کرتے تھے ہم نے ایک دوسرے کو لفظوں سے جانا لفظوں سے پہچانا لفظوں لفظوں سے ہی محسوس کیا۔ لفظوں میں ج ※ یے۔ ہم ※ ہمارا ※ ہماری لاتعداد باتیں ※ تمہارا کھلکلانا ※ شرمانا روٹھ جانا سب قید ہے اس بکسے میں۔ لفظوں کے بکسے میں۔ ہم دو الگ مزاج کے لوگ جو جانتے ہیں ایک دوسرے کو اپنی روح جیسے لفظوں سے لفظ ایک دوسرے کو دیکھ کر الہام کی طرح اترتے ہیں۔ ہم پہ پہروں ساتھ بیٹھے وقت بتاتے۔ تم اپنی کتاب ہاتھ میں لیے گھٹنے پہ تھوڑی لکائے یک ٹک مجھے سنا کرتی۔ اور تمھیں دیکھ کر گیت میرے اندر سے پھوٹا کرتے تھے میں گنگناتا۔ تم مسرور سا تکا کرتی۔ یاد کرنے بیٹھوں تو پہروں گزر جائیں۔

ہم دو الگ دنیاؤں کے لوگ۔ ان لفظوں نے ہمیں یکجا کردیا۔ یوں یادوں کا بکسا بھردیا۔۔۔

سعدی یوسف

نادیہ انصاری

5 فروری کے حوالے سے ایک سچی داستان۔

عنوان

وطن کی خاطر

نہیں جھکیں گے، نہیں ڈریں گے،
وطن کی خاطر ہم کٹ مریں گے۔

صحن کے بیچوں بیچ جواں سال برہان کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ عورتوں کی سسکیوں سے اور مردوں سے کھچا کھچ بھرا صحن آزادی کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہا تھا پھر کچھ دیر بعد ہی آہوں اور سسکیوں کے درمیان اللہ اکبر کی بلند و بالا گونج میں شہید برہان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ گھر کے باہر، مسجد اور قبرستان جانے والے پورے راستے پر ہزاروں کی تعداد میں بھارتی فوجی گنیں لیے تعینات تھے۔ مردوں کے باہر نکلتے ہی فوجیوں نے ان کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بٹوں مارنا شروع کر دیا مگر نہ ہی نعروں کی گونج تھمی اور نہ ہی استقامت پر لرزہ طاری ہوا کیونکہ یہ جنازہ کسی عام انسان کا نہیں بلکہ برہان وانی کا تھا۔ جسکے ارادوں کی پختگی، شیر جیسا جگرا بھارتیوں کے گلے کی ہڈی بن چکا تھا۔ جسے وہ بہت سی ناکام کوششوں کے بعد آج بلا آخر خاموش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

×××

مقبوضہ جموں کشمیر میں انسانی حقوق کی کھلم کھلا پامالی کرتے گزشتہ بیس دن سے کرفیو نافذ تھا اور سختی اتنی کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ حکومت کی طرف سے جاری کردہ اوقات کار کے علاوہ باہر نکلنے پر سخت پابندی تھی اور بھارتی فوجی بنا لحاظ، بنا وجہ پوچھے کہ باہر نکلنے والا کس مجبوری کے تحت باہر نکلا ہے باہر نظر آنے والے کو گولیوں سے بھون دیتے تھے بلکہ ان کی جارحیت کا یہ عالم تھا کہ مردوں کو گھروں سے زبردستی نکال کر ان پر کرفیو کی خلاف ورزی کا الزام ثابت کرتے ہوئے شہید کر دیتے اور یہ سلسلہ پچھلے بیس دنوں سے جاری تھا۔

حبیب وانی کی بیوی درد سے تڑپ رہی تھی مگر وہ اسے اسپتال لے جانے سے قاصر تھا، گلی بھاری بوٹوں کی آوازوں سے جبکہ گھر وانی کی بیوی

کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔اسی طرح تکلیف جھیلتے پوری رات گزری اور صبح صادق کے وقت برہان نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اور شاید اس نے ماں کے پیٹ میں ہی ماں کی تکلیف کا اندازہ کرلیا تھا تبھی شعور کی منازل طے کرنے کے بعد وہ بھارتیوں کے لیے عبرت کا نشان بن گیا ۔برہان بچپن سے ہی بہت ذہین، بے باک اور نڈر بچہ تھا، پڑھائی میں اول، کھیلوں میں سب سے آگے، تقریری مقابلوں میں حصہ لیتا تو مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا۔آٹھویں جماعت میں برہان نے نوے فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔اس کے والد کی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنے اور وہ اپنے والد کا خواب پورا کرنے کے واسطے جی توڑ محنت کر رہا تھا۔نویں جماعت کے امتحانات قریب تھے برہان کو سوائے پڑھائی کے اور کوئی ہوش نہ تھا مگر ایک دن جب شام پانچ بجے اپنا اچھا خاصہ وقت لائبریری میں گزار کے برہان اسکول سے واپس گھر لوٹا تو والدہ پریشان حال دروازے پر کھڑی ہوئی ملیں۔

کیا ہوا امی؟

بیٹا جاوید ابھی تک گھر نہیں آیا۔دو بجے علی کی طرف یہ کہہ کر گیا تھا کہ کچھ نوٹس لینے ہیں آدھے گھنٹے تک واپس آتا ہوں مگر اب تین گھنٹے ہونے کو آئے ہیں اور وہ واپس نہیں آیا۔جاوید تو ٹائم کا بہت پابند ہے۔جو بتا کر جاتا ہے اسی پر واپسی ہوتی ہے اس کی۔

جاوید برہان سے ایک سال بڑا اور دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔

ابو کہاں ہیں؟

علی کی طرف گئے ہیں جاوید کا پتا کرنے۔ابھی وہ دونوں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حبیب اور علی کے والد موسیٰ سامنے سے آتے دکھائی دیے۔دونوں بہت پریشان تھے کیونکہ جاوید اور علی گھر سے باہر نکلے تھے نوٹس فوٹو کاپی کروانے کے لیے مگر اب ان دونوں کا کچھ پتہ نہ تھا کہ زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔پورا محلہ مل کر انھیں ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔آس پاس کے علاقوں میں بھی چھان پھٹک کی گئی مگر ان دونوں کی کوئی خبر نہ تھی کہ گئے تو گئے کہاں؟ اور پھر اگلے دن حبیب کے محلے سے کافی دور دونوں کی گولیوں سے چھلنی لاشیں ایک خالی میدان سے برآمد ہو گئیں تھیں۔عینی شاہدین کے مطابق دونوں لڑکے نوٹس فوٹو کاپی کروا رہے تھے کہ فوجی آ گئے۔پہلے تو ان کو بٹوں سے مارتے ہوئے یہ پوچھتے رہے کہ وہ کس دہشت گرد جماعت کے لیے کام کرتے ہیں۔مجاہدین کے نئے ٹھکانے کہاں پر ہیں۔دونوں لڑکوں کو سگریٹ خریدنے اور پینے پر مجبور کرتے رہے۔ان کے انکار پر دوبارہ سے خوب مارا اور پھر گولیاں مار کر شہید کر دیا۔حبیب اور موسیٰ کے گھروں پر قیامت برپا تھی۔معصوم بے گناہ بچے جو کسی قسم کی کاروائی اور حریت جماعت کا حصہ نہ تھے۔جن کا مقصد صرف حصولِ تعلیم تھا بلا مقصد، بلا جواز بھارت کی نفرت کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔

بھارتی جارحیت اور بربریت اپنے پورے عروج پر تھی۔ جاوید کی شہادت کے دوروز بعد حبیب کے پڑوسی فاروق کی نوعمر بیٹیوں پر راہ چلتے فوجیوں نے جملے کسے۔ ان کے دوپٹے کھینچے اور جب فاروق کے بیٹوں نے ان کو روکنے کی کوشش کی تو پہلے لڑکوں کو مار مار کر ادھ مرا کیا اور پھر نہ صرف ان کے بلکہ پورے محلے کے سامنے ہی لڑکیوں کی عزت پامال کر دی۔ پے در پے ہونے والے ان واقعات نے برہان کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا پہلے اس نے اپنا بھائی کھویا اور پھر یہ واقعہ۔ اس کے وجود میں جیسے کسی نے آگ بھر دی تھی اور پھر بلا آخر وہی ہوا جس کے ہونے کی امید تھی ہزاروں دوسرے کشمیری نوجوانوں کی طرح برہان نے بھی مجاہدین میں شامل ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے نویں جماعت کے امتحانات سے دس دن قبل گھر چھوڑ دیا اور مجاہدین کی تنظیم حسب اللہ کو جوائن کر لیا۔ حسب اللہ میں شمولیت کے بعد برہان نے بھارتی فوجیوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔

اس نے سوشل میڈیا کے ذریعے بھارتی مظالم کے خلاف ایک کامیاب تحریک چلائی اور ہزاروں لوگ اس تحریک کا حصہ بنے۔ برہان نے جماعت میں شامل ہونے کے فوراً بعد مجاہدین کے ساتھ مل کر سری نگر میں واقع بھارتی فوج چوکی پر حملہ کیا۔ جس میں اٹھارہ فوجی ہلاک ہوئے۔ یہ برہان کا سب سے پہلا اور کامیاب آپریشن تھا اور پھر اسکے بعد اسے کوئی نہ روک سکا۔ پلوامہ ڈسٹرکٹ میں واقع بمدورہ گاؤں پر بھارتی فوج نے پچھلے پندرہ دن سے اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ بیس سے زائد نوجوان شہید جبکہ تقریباً ہر عورت اور بچی کی عزت خراب کر چکے تھے۔ حسب اللہ کو اطلاع ملی تو انھوں نے حملے کا لائحہ عمل طے کیا اور رات کی تاریکی میں بھارتی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں برہان نے بھی حصہ لیا اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ تقریباً دس سے زائد فوجی اکیلے ہی جہنم واصل کر دیے۔ اس کی سڑاٹیجی، موقع کے حساب سے فیصلہ کرنے کی طاقت، سب سے الگ تھی۔ جس نے اسے سب میں نمایاں کر دیا تھا۔ داراسارا کے علاقے میں ایک اور بھارتی چوکی برہان نے اکیلے ہی اڑا دی۔ ان سب واقعات نے بھارتیوں کے ہوش گم کر دیے تھے۔ یہ تمام حملے اور سوشل میڈیا پر چلنے والی تحریک نے بھارتیوں کو اتنا پریشان کیا کہ انھوں نے برہان کر سر کی قیمت ایک لاکھ مقرر کر دی۔ یہ طرز عمل ان کی بوکھلاہٹ کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کامیاب آپریشن برہان کے کریڈٹ پر تھے۔ بمدورہ گاؤں میں کیئے گئے آپریشن کے بعد برہان اور اس کے ساتھی نئے مشن کی تکمیل کے لیے کل گام ڈسٹرکٹ پہنچے جہاں انہیں مختلف جگہوں پر بنی بھارتی چوکیاں اور پولیس اسٹیشن تباہ کرنا تھا۔ مقصد کے لیے انہوں نے کل گام کے ایک گاؤں چاؤگم میں پناہ لی۔ اس مشن کی اطلاع بھارتی حکام کو پہلے سے ہوگئی تھی اور انہوں نے مقبوضہ کشمیر میں موجود تمام فوج کو ہائی الرٹ کر دیا تھا۔ بھارت فوج نے اس مشن کو ناکام بنانے کے لیے پہلے قدم پر پورے ڈسٹرکٹ میں کرفیو نافذ کرتے ہوئے گاؤں گاؤں، گھر گھر، گلی گلی برہان و ساتھیوں کی تلاش شروع کر دی۔

اس اقدام سے برہان اور اس کے ساتھی گاؤں کے ایک گھر میں محصور ہو کر رہ گئے تھے اور انہیں اپنے تمام کاروائیاں روکنی پڑی تھیں۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کو موقع ملے اور وہ یہاں سے فلحال مشن ادھورا چھوڑ کر نکل جائیں۔ تنظیم کی جانب سے بھی یہی ہدایات تھیں کہ پہلے خود کو محفوظ کرنا ہے پھر کاروائی کرنی ہے مگر کرفیو نے ان کے فرار کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا اور بلا آخر ترپین دن کے کرفیو اور گھر گھر تلاشی کے بعد برہان اور اس کے ساتھی اسی گاؤں میں جہاں وہ پناہ گزین تھے نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ برہان کو شہید کرنے کے بعد بھارتی فوجی ہیڈ کوارٹرز میں جشن کا سماں تھا کہ انھوں نے آج اپنا ایک بہت بڑا دشمن جس نے انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا اسے نیست و نابود کر دیا تھا۔

برہان وانی کا جسدِ خاکی جب اس کے علاقے میں پہنچا تو کہرام مچ گیا۔ ہر آنکھ اس شیر کی جواں موت پر اشک بار تھی۔ اس شیر کی موت کہ جس کے چلنے سے زمین دھمکتی تھی کہ جس کی دھاڑ سے دل دہلتے تھے اور دشمن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بھارتی فوج کو جتنا نقصان اس ایک شیر دل برہان سے پہنچایا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ برہان کی آخری رسومات بھارتی فوج کے سخت ترین پہرے میں پوری شان و شوکت، عزت اور تکریم کے ساتھ ادا کی گئیں۔ جس میں پورے جموں کشمیر سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور پھر پوری دنیا نے دیکھا کہ برہان وانی کو کس تکریم کے ساتھ اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچایا گیا۔

برہان وانی جب تک جیا شان سے جیا اور جب جان جانِ آفریں کے سپرد کی تب بھی شجاعت میں اپنی مثال آپ تھا۔

آزادی کی جدوجہد آج بھی پوری طاقت اور ولولے کے ساتھ جاری ہے اور آخری دم، آخری سانس تک جاری رہے گی۔

بندوقوں کے سامنے پتھروں سے لڑتے ہیں،

اتنی شہادتوں کے بعد بھی کشمیری کہاں ڈرتے ہیں۔

غزل۔

سانسوں کی اُلجھی۔ اُلجھی پہیلی میں قید ہے
ہر شخص زندگی کی حویلی میں قید ہے۔

میں نے حنا سے نام لکھا تھا کبھی ترا
خُوشبوءِ عشق اب بھی ہتھیلی میں قید ہے۔

دلّی گئی میں جب تو مرا دل دھڑک اٹھا
کیسے کہوں کہ دِل یہ بریلی میں قید ہے۔

تتلی کے پر کو دیکھ کے میں سوچتی رہی
دُنیا کی دِل کشی اِس اکیلی میں قید ہے۔

بھونرا فدا ہے سب پہ کہ اُس کی خوشی فقط
چمپا میں قید ہے نہ چمیلی میں قید ہے۔

عطیہؔ کو اپنی جان وہ کہتا تھا کل مگر
اب اُس کی جان، میری سہیلی میں قید ہے۔

عطیہ نور۔
پریاگ راج
اُتّر پردیش

وہ راہ مستقیم دکھاتا چلا گیا
مجھ کو قباحتوں سے بچاتا چلا گیا
الجھی ہوئی تھی میں کہ تھا ریشم سا تار تار،
وہ ساری الجھنوں کو مٹاتا چلا گیا
میں عشق کے الاو میں اک اس کے واسطے
جلتی چلی گئی وہ جلاتا چلا گیا
میں نے دعا جو کی تھی کبھی کیف وجد میں
وہ آگہی کا رنگ چڑھاتا چلا گیا
میں ڈوبتی گئی تھی کسی گہرے بحر میں
وہ درس عشق مجھ کو پڑھاتا چلا گیا
ہاں مجھ کو آر پار سے دکھنے لگا زماں
کاجل میں جانے کیا وہ ملاتا چلا گیا

٭ ناز فاطمہ ٭

ثمینہ رحمت منال

کس کو تکلیف میں صدا دیتے
کوئی ہوتا تو برملا دیتے
تجھ کو تابوت سے اٹھا دیتے
کوئی جادو ہی ہم جگا دیتے
تجھ کو ہم پھر سے زندگی دیتے
لوگ سب تالیاں بجا دیتے
وہ جو ٹوٹے ہوئے تھے شاخوں سے
ایسے پتوں کو کیا ہوا دیتے
کوئی ہم کو نظر نہیں آیا
کوئی ہوتا تو آسرا دیتے
اپنا کوئی غمگسار تھا ہی نہیں
کوئی ہوتا تو ہم دعا دیتے
تجھ کو جلدی پڑی تھی جانے کی
زندگی تیرا ساتھ کیا دیتے
تیری خوشیاں عزیز تھیں ہم کو
تو جو ملتا تو مسکرا دیتے
کچھ تعلق تو ہم سے رکھنا تھا

خواب میں بھی جو تم نظر آتے

ہم کبھی رنج و غم بھلا دیتے

تیری تعظیم بھی ضروری تھی

سر کو آگے ترے جھکا دیتے

اپنے خیمے ہی چھن گئے ہم سے

ورنہ سب لکڑیاں جلا دیتے

تاکہ جنگل میں امن قائم ہو

شیر کو شیر سے لڑا دیتے

من و سلویٰ ہمارے پاس نہ تھا

ہم تجھے کون سی غذا دیتے

زندگی خود طبیب بن جاتی

تم کو ایسی کوئی دوا دیتے

تم جہنم کی بات کرتے ہو

تم کو جنت سے بھی ڈرا دیتے

ہم سے تعبیر پوچھنے والے

ہم تجھے نیند سے جگا دیتے

جن کے ہاتھوں میں صرف چھالے تھے

کس طرح تیرا گھر بنا دیتے

تم نے رستے میں ہم کو چھوڑ دیا

ورنہ تم کو کوئی صلہ دیتے

تم کو رنگوں میں ڈھالنے کے لئے

تم کو رنگوں میں ڈھالنے کے لئے

اپنی ہستی کو ہم مٹا دیتے

ہم تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں

کاش اتنا تمہیں بتا دیتے

تم کو رب کا جو کوئی ڈر ہوتا

ہم تمھیں رب کا واسطہ دیتے

تم جو ملتے سخن کی محفل میں

شعر گوئی تمھیں سکھا دیتے

بادشہ تجھ سے کچھ امید نہ تھی

ورنہ زنجیر ہم ہلا دیتے

ہم کو جوکر جو تو بنا دیتا

جو بھی روتا اسے ہنسا دیتے

تم جو ہوتے کوئی پیمبر تو

تم کو موسی کا ہم عصا دیتے

تیرے قدموں میں زندگی رکھ دی

تو بتا اور تجھ کو کیا دیتے

غزل

پہلے بھنور کی گود میں چھوڑا گیا مُجھے
پھر خُودکُشی کے جُرم سے جوڑا گیا مُجھے

کِس نے سمجھ لیا مُجھے ماضی کی ڈائری
کیوں کر ورق ورق پہ ہے موڑا گیا مُجھے

پتھر تھے تُم تمہاری پرستش ہوئی مگر
میں آئنہ صفت تھی سو توڑا گیا مُجھے

لفظِ فریب کہتا ہے میں تو ہوں اِک قبا
ہر بے ضمیر جسم پہ اوڑھا گیا مُجھے

جا تا رہا پروں سے جب اڑنے کا حوصلہ
تب آسماں کی سمت ہے چھوڑا گیا مُجھے

پہلے تو چھین لی گئی مُجھسے مری خوشی
جب بت میں ہو گئی تو جھنجھوڑا گیا مُجھے

عطیہ نور

الہ آباد

اُتر پردیش

افسانہ

عنوان: اسیر زادی

ازقلم: طاہرہ حسین

آج نمرہ کی شادی کا تیسرا دن تھا۔ابھی تو اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری تھی اور سارے زمانے کا غم شاید اسی کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اسے اس موڑ پر لا کھڑا کرے گی۔ بلال نے شادی کے پہلے دن ہی اسے اس کی اوقات یاد دلا دی تھی اور یہ الفاظ اس کی سماعتوں میں گونج جا رہے تھے کہ وہ اس کی نہیں اس کے ماں باپ کی پسند ہے اور وہ تو کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ اس کے سارے خواب ٹوٹ گئے تھے۔

کنزہ تم میرے ساتھ چلو۔آج میں امی سے ماہر کی بات کروں گی۔نمرہ کمرے میں داخل ہوتے ساتھ ہی کنزہ سے مخاطب ہوئی۔
نہیں نمرہ! ماہر تو تمہاری محبت سے انجان ہے۔ہم امی سے بات نہیں کریں گے۔کنزہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی تو نمرہ جیسے ہار مان کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔
کنزہ تو اب میں کیا کروں۔امی ابو بلال کے رشتے کے لیے حامی بھرنے والے ہیں۔نمرہ اپنے سے ایک سال چھوٹی بہن کے آگے رو رو کر سوال کر رہی تھی۔
نمرہ! میں کہتی ہوں کہ تم اس رشتے کے لیے دل کو منا لو کیونکہ بلال بھائی ہینڈسم ہیں ویل سیٹلڈ ہیں اور سب سے بڑھ کے یہ بات کہ وہ ہمارے ماموں زاد ہیں۔کنزہ نمرہ کے گھٹنوں پر بیٹھ کر بولی اور اس کے آنسو پونچھنے لگی۔
اور ماہر! نمرہ نے کنزہ کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔
وہ اک خواب تھا اور کچھ نہیں۔ ویسے بھی ماہر کو کیا معلوم کہ ایک لڑکی کتنی پاگل ہے اس کے لیے۔صرف کنزہ ہی تو تھی جو نمرہ کی اس یکطرفہ

دیوانگی سے واقف تھی۔

نمرہ کیا کرتی آخر اسے ماں باپ کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

ویسے بھی یکطرفہ محبتوں کا انجام جدائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

دعائیں میری اسے مانگنے میں ہوئی رائگاں

وہ میرے دل میں رہا نصیب میں کہاں

نمرہ نے دل سے اس رشتے کو قبول کیا تھا۔مگر یہ کیا ہوا کہ شادی کے تین دن گزرنے کے بعد بھی بلال نے اسے دیکھا تک نہیں۔ہاں مگر ایک بات جو بلال نے اسے تب بتائی جب وہ کمرے میں الماری میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا کہ میں اس رشتے کو نہیں مانتا۔یہ میرے گھر والوں کی مرضی سے ہوا ہے میری مرضی سے نہیں۔اور یہ کہ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔

نمرہ کی سماعتوں میں بس یہی بات گونج رہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب وہ کیا کرے۔آخر اس نے اس امید کے ساتھ چپ رہنے کا فیصلہ کیا کہ ایک دن وہ بلال کو اپنا بنا لے گی۔

شادی کے چوتھے دن سے ممانی جان کے کہنے پر اس نے کچن سنبھالا۔صبح کی صفائی سے لے کر رات کی چائے تک سارے کام اسی کے ذمے ہو گئے تھے۔بلال رات گئے گھر آتا اپنا موبائل فون استعمال کرتا اور نمرہ کو نظرانداز کر کے سو جاتا۔نمرہ کیا سوال کرتی وہ تو خود دن بھر کی تھکی ہاری جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی جاتی۔دن گزرتے گئے اور بلال کا رویہ اور بیگانہ ہوتا چلا گیا۔آخر تھک ہار کر نمرہ نے ماں کے آگے ساری صورتحال رکھ دی۔

نمرہ! مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔تمہیں صبر سے کام لینا ہے بیٹا ماں کی ایسی تسلی سن کر نمرہ پھر سے بلال کے اچھے ہونے کی دعائیں کرنے لگی۔دن گزر کر سالوں میں بدل گئے۔دو سال ہونے کو تھے اور سب کا رویہ ویسے کا ویسا تھا۔بس ساس کے طعنوں نے اور زور پکڑ لیا تھا۔رات کا وقت تھا۔نمرہ کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔بلال کے آنے کا وقت تھا سو نمرہ دروازہ کھولنے گئی۔بلال کے ساتھ آج کوئی لڑکی بھی آئی تھی۔نمرہ دروازہ کھول کے ایک طرف ہو گئی تو بلال اس لڑکی کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔

امی جان! یہ آپ کی بہو ہے۔آپ لوگ اسے قبول کرتے ہیں تو ٹھیک۔نہیں تو ہم الگ رہ لیں گے۔بلال بہت فخر سے اپنی جیت بتا رہا تھا۔

نمرہ جو دروازے پر کھڑی تھی یہ سن کر وہیں بے ہوش ہو گئی۔

ہوش میں آئی تو خود کو ماں کے گھر پایا۔ ماں اور کنزہ کو دیکھ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ ماں اسے دلاسے دیے جا رہی تھی مگر اس کے آنسو تھمتے نہ تھے۔

نمرہ! جو ہو گیا اس پر اب کیا رونا۔ تم کچھ دن ادھر رہو اور پھر اپنے گھر چلی جانا۔ ماں کے منہ سے یہ کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

امی! وہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں وہاں کیسے جا سکتی ہوں۔ نمرہ چیخ رہی تھی۔

بیٹا! ہمارے معاشرے میں طلاق بہت بڑا جرم ہے عورت کا۔ تم اس بات کو سمجھو۔ اگر تم گھر آ گئی تو تمہاری بہن کا کیا بنے گا۔ ماں کے یہ الفاظ اسے پھر سے اس دلدل میں جانے کے لیے مجبور کر رہے تھے۔ آخر کیا کرتی۔ آج بھی وہ سب کا بھرم رکھنے کے لیے تیار ہو گئی اور اس گھر جانے کا فیصلہ کر لیا جو اس کا تھا ہی نہیں۔

چپ رہتی ہوں، سن لیتی ہوں
میں چھپ کر بس رو لیتی ہوں
میرے پاس کسی کی آس نہیں
میں خود کے ساتھ رہ لیتی ہوں
شہزادی سے ہوئی اسیر زادی
تیرے لیے خود کو پرو لیتی ہوں

نویدِ سحر"

ماہم حامد:

ظلمتوں کی سیاہ رات جب حد سے زیادہ گہری ہو جاتی ہے، تو نوید سحر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ نوید سحر اس روشن صبح کی خوش خبری ہے، جو حقیقت میں انسانی زندگیوں کو بدل دیتی ہے۔ جو سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر ایسا انقلاب لاتی ہے، کہ زندگی صحیح ڈگر پر چلنے لگتی ہے۔ پیارے ملک پاکستان کے حالات ایسی مایوس کن صورتحال شکار ہیں۔

ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ لاقانونیت، ناانصافی، چور بازاری اور دہشت گردی جیسے ناسور، پاک وطن کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ لوگ دن رات ان اذیتوں سے گزر رہے ہیں۔

ان کے دلوں میں ایک ہی خواہش ہے، کہ پاک وطن میں کوئی تو ایسا آیا گا، جو اس ملک کی سیاہ تقدیر کے لیے نوید سحر بن جائے گا۔ ہماری قوم کی بدقسمتی یہی ہے، ہم معجزوں کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم اپنے طور پر حالات بدلنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ اس مایوس کن صورتحال کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہم بھی تو اس ملک کے لیے کچھ کر سکتے ہیں، ان اندھیروں میں نوید سحر بن سکتے ہیں۔ بجائے اہل اقتدار کو کوسنے کے اپنے اختیار کا صحیح استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ ٹیچر ہیں تو آپ ان بچوں کے لیے کچھ گھنٹے نکال سکتے ہیں، جو گلیوں میں صرف اس لیے مارے مارے پھرتے ہیں، کہ ان کے ماں باپ ان کے لیے اسکول کی فیسیں بھرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ان پر غربت کی تاریکی ایسی چھائی ہے، کہ اس نے آگہی کے رستے ان کے لیے بند کر دیئے ہیں۔ آپ بحیثیت استاد وہ دروازے کھول سکتے ہیں، جہالت کی تاریکیوں میں نوید سحر بن سکتے ہیں۔ کیوں ہر کام دنیاوی فائدے اور اپنے گھر والوں کی بھلائی کے لیے نہیں ہوتا، کچھ کام آخرت میں کامیابی اور اوپر والے خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بھی کیے جاتے ہیں، اور جو لوگ اللہ رضا کو اپنی رضا بناتے ہیں، وہی دوسروں کے لیے نوید سحر بن پاتے ہیں۔ ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، استاد، عالم، مستری، مزدور کوئی بھی نوید سحر بن سکتا ہے، مگر اس کے لیے اچھا انسان بننا شرط ہے۔ احمد فراز کا بہت مشہور شعر ہے کہ، شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا

اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے"

ہمارا سیاسی نظام بھی مایوس کن ہے۔ حکومت کے عہدوں پر بیٹھے نااہل سیاستدان، ہمارے معاشرے کی بہتری کے لیے موثر ثابت نہیں ہو

رہے۔ حالانکہ حکومتی اہلکاروں کا تو کام ہی معاشرے کی خدمت کرنا ہوتا ہے، مگر یہاں الٹی گنگا بہتی ہے، یہاں خدمت کرنے کی بجائے خدمت کروانے کا رواج پڑ چکا ہے۔ اس نظام کی سیاہی کو دور کرنے کے لیے، ہمارے ملک کو کسی ایسے با کردار لیڈر کی ضرورت ہے، جو ذاتی فائدوں پر ملک وقوم کی بھلائی کو قربان نہ کرے، اور غربت اور افلاس میں ڈوبی قوم کے لیے نوید سحر ثابت ہو۔

دینی طرف لوگوں کے رجحان کی کمی بھی مایوسی کی ایک بڑی وجہ ہے۔ دینی علماء بھی آپس کے جھگڑے مٹا کر، معاشرے میں صحیح معنوں میں دین کی روشنی پھیلا کر، ملک اور قوم کے لیے نوید سحر بن سکتے ہیں۔

حالات بھلے جیسے بھی ہوں، ہم سب پر بحیثیت انسان اور مسلمان ہونے کے فرض ہے، کہ ہم نہ مایوسی کی وجہ بنیں، اور نہ ہی خود مایوس ہوں۔ کیوں کہ وہ رب رحمان طاقت رکھتا ہے، بڑے سے بڑے امتحان کو آسانی میں بدلنے کی۔ ہمارے ملک کا وجود ہی اس بات کا روشن ثبوت ہے، کہ ظلم اور نا انصافی کی سیاہیاں لمحوں میں مٹ جاتی ہیں، جب قوموں

کے نصیب میں ان کی جہد وجہد اور استقلال سے روشن صبحیں آتی ہیں۔ ہم پر چھائی مایوسیوں کے جال بھلے جتنے بھی سخت اور مضبوط کیوں نہ ہوں، ہمارے حوصلے اور ایمان کی طاقت انہیں لمحوں میں پاش پاش کر سکتی ہے۔

قرآن اور حدیث کی روشنی میں بھی مایوسی پھیلانے اور مایوس ہونے کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار اشارہ ملتا ہے، سورت الزمر میں ارشاد ربانی ہے کہ: "اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہونا۔" اسی طرح سورت یوسف میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ: "اور اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔" حدیث میں بھی مایوسی کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ: "مایوسی کفر ہے۔"

ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ کبھی بھی کسی بھی حال میں ہم مایوس نہ ہوں، اللہ سے بہتر کی امید رکھیں، مشکلات کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں۔ اگر ہم اپنی زندگی قرآن اور حدیث کے مطابق ڈھال لیں، تو وہ وقت دور نہیں، جب مایوسی کے اندھیرے چھٹ جائیں گے، اور ہماری زندگیوں میں نوید سحر کی روشنی پوری طرح بکھر جائے گی۔

عنوان: خواہشات اور حالات

از قلم مونا شعیب

میں ایک انسان ہوں
میرے دل میں خواہشات ہیں
میرے ذہن میں خیالات ہیں
میری آنکھوں میں خواب ہیں
میری زندگی میں حالات ہیں
میں خواہش کرتی ہوں
کہ میں خوش رہوں
کہ میں پیار کروں
کہ میں سیکھوں
کہ میں کامیاب ہوں
مگر حالات مجھے روکتے ہیں
کبھی مجھے غم ہوتا ہے
کبھی مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے
کبھی مجھے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے
کبھی مجھے اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنا پڑتا ہے
میں اپنے حالات سے نہیں ہارتی
میں اپنی خواہشات کو نہیں چھوڑتی

میں اپنے خیالات کو نہیں بھولتی
میں اپنے خوابوں کو نہیں توڑتی
میں اپنی زندگی کو نہیں ضائع کرتی
میں ایک انسان ہوں
میرے دل میں خواہشات ہیں
میرے ذہن میں خیالات ہیں
میری آنکھوں میں خواب ہیں
میری زندگی میں حالات ہیں

صنف: سو لفظی کہانی

عنوان: جدید اسلام

ثمینہ کوثر بچیکی

حرم تم نے آج بہت شاندار کرکٹ کھیلی۔ آج تو تم مین آف دا میچ ٹھہری۔ پاکستان میں صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میچ جیتا۔ آڈیٹوریم سے باہر آتے ہوئے اس کے شائقین نے اس کے ساتھ تصاویر بنائیں۔

حرم کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس کے اندر کا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ آج کے بعد وہ کبھی بھی کرکٹ نہیں کھیلے گی۔ اس نے جدید اسلام کی بنیاد نہیں رکھنی۔

حرم نے ہمیشہ کے لیے کرکٹ کو خیرآباد کہہ دیا۔

مجھدار ہونے کے لیے ستر یا اسی سال کا ہونا لازم نہیں، کیونکہ برے حالات، مشکلات اور بدلتے رویے لمحوں میں اٹھارہ سے اسی سال کا سفر طے کروا دیتے ہیں۔

یہ وقت بھی گزر جائے گا

ازقلم۔۔۔زعیمہ روشن

※※※※※※※※※※※※※※※※※※※

بچپن میں ایک کہانی سنی تھی۔

اس وقت اس کہانی کی اتنی سمجھ نہیں تھی۔

آج جب کبھی غم میں ہوتی ہوں تو دماغ کے خانوں میں وہ کہانی ضرور گردش کرتی ہے۔

کہانی کچھ اس طرح کے ایک بادشاہ نے حکم صادر کیا کے اس بندے کے لیے میرے طرف سے خاص انعام ہوگا جو میری انگوٹھی پر ایسا جملہ لکھ دے کے جسے دیکھ کے میں غم میں ہوں تو مسکرا دوں اور اگر خوشی میں دیکھوں تو رو دوں۔،،

جگہ،جگہ پر اعلانات ہوئے اور پھر ایک دانشور نے ایک کمال جملہ لکھ کے دیا۔

اس نے لکھا۔

یہ وقت بھی گزر جائے گا۔

بادشاہ غم میں دیکھتا مسکرا دیتا کے میرا یہ وقت گزر جائے گا۔

اور کبھی خوشی میں نظر پڑھتی تو رونے لگتا کے میرا یہ خوشی کا وقت بھی گزر جائے گا۔

※※ تو میری یہ بات سب کو بتانے کا مقصد واضح ہے۔

غم ہو یا خوشی وقت تو گزر ہی جائے گا۔

بس خوشی اور غم دونوں صورتوں میں اپنے اور اپنے رب کے ساتھ تعلق کو مضبوط رکھنا ہے

جدائی

عشاء کنول

عورت

مرنے والے خود تو مر جاتے ہیں، پر اپنے پیچھے ایک ایسا خلاء چھوڑ جاتے ہیں جو کبھی بھی پُر نہیں ہوتا۔ کوئی تسلی کوئی دلاسہ اس درد کی دعا نہیں بنتا جو اپنوں کی جدائی دیتی ہے۔ چلے جانے والے کاش پیچھے مڑ کر دیکھتے ان کے پیارے کس قدر اذیت میں ہیں ان کی یادیں ان کو نا زندوں میں چھوڑتی ہیں نا مُردوں میں۔

یہ تو سب کہتے ہیں، پیار محبت سے مل جُل کر رہو ایک دن سب نے بچھڑ جانا ہے، یہ کوئی کیوں نہیں بتاتا کے بچھڑنے کی اذیت کو برداشت کیسے کرنا ہے۔ کیسے خود کو سنبھالنا ہے۔

اذیت ناک ہوتا ہے لمحا جب کوئی انسان اپنے جان سے عزیز شخص کو آخری نظر دیکھتا ہے، جس کا چہرا دیکھ کر وہ جیتا ہے۔

ستم پر ستم جاں پر کر جاتے ہیں

اپنوں سے بچھڑ کر مر جاتے ہیں

عورت

ازقلم۔ سحرش جبین

عورت لفظ عربی زبان سے مشتق ہے اور لغت میں اس کا معنی پردہ " جسم کے اعضا جن کا دیکھنے دکھانے سے شرم آئے" عورت کا مطلب ہی جب پردہ کے ہیں تو اس کو نمائش کس نے بنایا؟

عورت نے خود یا مرد نے؟ سچ پوچھیں تو آج کی عورت نے تو خود اپنی ذات کی تذلیل کرنی شروع کر دی۔ کسی سے کیا گلہ کرے گی۔

عورت جب خود ہی اپنی اہمیت وحیثیت نہیں جانتی تو کسی اور سے گلہ کیوں؟

آج کی عورت کی قبل از اسلام حیثیت کیا تھی اور اسلام نے اس کو کیا درجہ دیا ہے؟

کیا اس کو وہ زمانہ یاد نہیں جب زندہ دفنادی جاتی تھی۔ جب مردہ شوہر کے ساتھ زندہ سنگسار کی جاتی تھی؟

کیا وہ زمانہ بھول گئی ہے جب اس کو بازاروں اور درباروں کی رونق بنایا جاتا تھا؟

جب لونڈی بنائی جاتی تھی؟

اب جب کوئی اس کو نصیحت کرے ہے اب کہتی ہے کہ میرا باپ، میرا بھائی، شوہر یا فلاں مولوی تنگ ذہن ہے۔

یہی اسلام عورت کو اس زمانے سب سے نکال کہ لایا جس میں اس کی اک لونڈی کے سوا کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسلام نے اس کو حقوق دلوائے آج اس سے انکار کر رہی ہے۔۔

آنحضرت ﷺ کی آمد کے بعد عورت ماں بیٹی، بہن اور بیوی کے خوبصورت رشتوں سے آشنا ہوئی۔ اس کو عزت، اہمیت اور حیثیت ملی۔ حضرت خدیجہ کبریٰ، حضرت فاطمہ الزہرہؓ، حضرت بی بی زینبؓ جیسی عظیم عورتیں تھی۔ آج کی عورت تو عورت کا مطلب ہی بھول گی، ورنہ اس طرح ننگے سر بازاروں کی زینت نہ بنتی۔ عورت نہ تو کمزور تھی نہ ہے۔ نہ وہ گھر کی چاردیواری میں جہل تھی نا ہے۔ وقت اور زمانے نے عورت کو نمائش بنا دیا۔ عورت خود اپنی مرضی خوشی سی بنی۔ یہ سب اک دم نہیں ہوا اس کے لیے بھی انگریز طرز تعلیم کو بڑی محنت کرنا پڑی۔ ورنہ اس کی کیا جرات کہ مسلمان عورت کی طرف نگاہ بھی کر پاتا۔ کسی بھی غیر مرد کی رسائی کسی غیر عورت تک نہ تھی۔ پھر عورت نے اپنی اہمیت اپنی عزت خود مٹادی۔ میں اس عورت کو بھی جانتی ہوں جو اپنی عزت کرتی تھی اور اور کرواتی بھی تھی۔ اب نہ تو عورت خود اپنی عزت کرتی ہے نا کرواتی ہے۔ جب تک عورت سادہ مزاج رہی، اپنی حدود میں رہی، محفظ رہی۔ وقت گزرتے گزرتے عورت نا جانے اپنا

اب عورت، عورت نہیں رہی۔ پہلے عورت کے ذہن میں بس مرد کے شانہ بشانہ چلنے کی خواہش ابھری، جب چل پڑی تو کامیابی بھی ملی۔ جب کامیابی ملی تو سوچ میں بھی وسعت آئی۔ پھر اس نے تعلیم کا ہر میدان بھی فتح کرنا چاہا اور کر بھی لیا لیکن اب اس خواہش نے پروفیشنل تعلیم کا راستہ بھی دکھایا اور اب عورت ہر شعبے میں کام کرتی نظر آتی ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ نکلی تو علم حاصل کرنے تھی عمل گنوا بیٹھی۔ پروفیشنل شعبہ جات کی تعلیم لینے نکلی تھی عزت لٹا آئی، حیثیت گنوا آئی۔

پہلے عورت کا دوپٹہ اتارا جاتا تو روتی پیٹتی تھی۔ اب خود اتار کر فخر محسوس کرتی ہے۔ پہلے نیم عریاں لباس پہنایا جاتا تھا کوٹھوں پر رقص کروایا جاتا تھا تو مظلوم تھی اور اب پڑھ لکھ کر ایسا کر کے فخر محسوس کرتی ہے اب شوشل میڈیا پہ فین بڑھانے کی خاطر کیا کیا نہیں کر گزارتی۔ اب اس کے ٹھمکے، اس کا ڈانس، اس کا ناز و انداز اس کو مشہور کرتے ہیں اور فین اس کی بے حیائی کی تعریف کر کے مزید حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس شوشل میڈیا اور جدید طرز تعلیم نے ماں سے اس کی ممتا، بہن سے اس کا وقار، بیٹی سے اس کی رحمت اور بیوی سے اس کی راحت چھین لی۔

اب اس کو گلہ ہے کہ مرد وحشی ہو گیا ہے۔ رشتوں کا تقدس اور عورت کی عزت پامال کر رہا ہے۔ یہ سب کرنے کا موقع کس نے فراہم کیا؟ کیا آج کی عورت بھائی اور باپ کے سامنے جاتے ان باتوں کا خیال رکھتی ہے۔ جس کا حکم ہے اے عورت ابھی بھی وقت ہے سمبھل جا خدارا سمبھل جا۔۔۔ پھر مرد سے گلہ نا کرنا کہ اس نے منار پاکستان میں اس کو رسوا کیوں کیا؟

پھر نہ کہنا کہ زنیب شہزادی کے ساتھ زیاتی کیوں کی گی؟ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ظلم ہوا مجبور کیا گیا یہ سب ظلم نہیں تیری دعوت تھی۔ اے عورت تجھے سورۃ احزاب والی نصیحتیں کیوں بھول گئیں۔

تو سورۃ نساء کو پڑھنا بھول گی یا سمجھ نہیں پائی۔؟

اس زمانے کے مرد و زن کیا تم لوگوں نے سورۃ نور اور سورۃ مائدہ نہیں پڑھی؟ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ "تم اپنے مردوں کو سورۃ مائدہ اور عورتوں کو سورۃ نور کی تعلیم دو"۔

عورت کی پردہ داری تو اسلام نے ایسے مدنظر رکھی کہ اس کو تو نماز میں بھی ہاتھ کو بلند کرنے سے منا کیا گیا۔

کیا اس کو حج وعمرہ کے فرائض ادا کرتے اس کو بھاگنے سے منا نہیں کیا گیا۔ کیا مسجد میں نماز ادا کرنے اذان دینے جنگ کرنے سے نہیں منا کیا گیا؟ خوشبو لگانے اور بغیر محرم سفر کرنے سے منا نہیں کیا گیا؟

کیا رب العزت نے نے عورت کے سامنے ستر میں رہنے کا حکم نہیں دیا؟

عورتوں کو ڈوپٹہ اتارنے خود کو برہنہ کرنے سے منا نہیں کیا گیا؟

لیکن یہاں تو عورتیں نا صرف خود بلکہ معصوم بچیوں کو بچپن سے ہی برہنہ لباس پہنا دیتی ہیں تا کہ بچپن سے ہی حیا والا مادہ ہی ختم ہو جائے۔ان کے معصوم جسموں کی نمائش لگا کہ کہتی ہیں کہ زینب تو بچی تھی اس کے ساتھ ظلم ہوا۔

اس ظلم اور گناہ کی دعوت دی کس نے۔ میں خود ایک عورت ہوں او میری عورت سے دشمنی نہیں نہ میں تعلیم حاصل کرنے کے خلاف ہوں۔

بس گزارش ہے کہ خدارا عورت کے نام پہ دھبہ بننے سے بہتر ہے عورت ہونے کا حق ادا کریں اپنی اور اپنے خاندان کی اصلاح کرلیں زمانے سے برائی کم کرنے میں اپنا فرض ادا کریں۔

عنوان: یقین کا سفر

ازقلم: زرینہ یسین (چشتیاں شریف، مبارکپور)

یقین بڑی طاقتور شے ہے۔ یہ وہ سفر ہے جو آپ آنکھیں بند کر کے طے کرتے ہیں۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ آپ یقین کے سفر پر ہیں یا نہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ آپ کس طرح پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ یقین کا سفر تو یہ ہے کہ انسان ایک بار ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے دے تو خود سے لا پرواہ ہو جائے، اور یہ دیکھنا چھوڑ دے کہ اس کا رہبر اسے کس سمت لے کے جا رہا ہے۔ بعض اوقات انسان خود کو وقت کے بھاؤ کے سپرد کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ وقت سے لڑتے لڑتے تھک جاتا ہے، اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے؛ جب انسان یقین کی حد کو چھو کر کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ کامیابی اسے اس حقیقت سے روشناس کرواتی ہے کہ وہ جتنی بھی خود سے تدبیریں اختیار کر کے حالات کو اللہ کریم بہترین انصاف کرنے والا ہے
بدلنا چاہیے۔ وہ اللہ تبارک وتعالی پر یقین کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی منزل ایک ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات جس کام میں اللہ کی رضا شامل نہ ہو انسان اس سے کبھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کے یقین کو آزمانے کے لیے مختلف آزمائشیں تیار کر رکھی ہے۔ مگر شرط یہ ہے؛ کہ بندہ بشر بنا کوئی شکوہ کئے ان آزمائشوں پر پورا اترے۔

ترجمہ:

جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو (اللہ اس کے جملہ امور کا کفیل ہو جاتا ہے) بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے (الانفال 49/8)

آج کے افسانچے

ارشد منعم انڈیا

افسانچہ..نشانی.......ارشد منیم

پرنیتی کے شوہر کا قتل کرنے کے بعد اس کے عاشق نیتن نے ہاتھ میں پکڑے چاقو پر گرفت مضبوط کی اور بیڈ پر لیٹے رو رہے پرنیتی کے ایک سالہ بیٹے کی طرف لپکا... پرنیتی دوڑ کر بیٹے کو گود میں اٹھاتے ہوئے سہمی ہوئی سی بولی ※※

※※ نہیں......نہیں.......اسے نہیں.....※※※

نیتن پاگلوں کی طرح چلایا...

※※ چپ چاپ اسے میرے حوالے کردو ※※ ہم دونوں کے درمیان تمھارے پتی کی کوئی بھی نشانی میں برداشت نہیں کر سکتا....※※※

پرنیتی بیٹے کو چھاتی سے لگاتے ہوئے بولی...

※※ ہوش سے کام لو.......میرے پتی کی نہیں بلکہ یہ تو تمھاری.......※※※

افسانچہ۔۔تضاد

ارشدمنیم

بستی کی مسجد کے اندر لگے بورڈ پر لکھا تھا:

رسم قل غیر شرعی ہے۔اس لئے مسجد کے اندر اس کی اجازت نہیں ہے

مسجد انتظامیہ

لیکن اسی مسجد انتظامیہ کے اراکین بستی کے قریب کے میدان میں ہونے والی سبھی رسم قل میں بیٹھے بڑے غوروخوض سے مولانا کی تقریر سنتے ہیں۔

افسانچہ۔۔۔۔چاہت

ارشدمنیم

ڈرائنگ ٹیچر نے آٹھویں جماعت کے بچوں سے کہا۔

سٹوڈینٹس۔۔۔آج آپ سبھی نے اپنی اپنی پسند کی اس چیز کی تصویر بنانی ہے جسے پانے کی آپ شدت سے چاہت رکھتے ہو۔۔۔

اب سے بیس منٹ بعد آپ سبھی کی ڈرائنگز میرے ٹیبل پہ ہونی چاہیں۔

مقررہ وقت پہ سبھی بچوں کی طرف سے بنائی ڈرائنگز ، ٹیچر کے ٹیبل پر تھیں۔ٹیچر، ڈرائنگز کو بغور چیک کر رہی تھی۔بچوں نے کرکٹ بیٹ، ہوائی جہاز، فٹبال، کمپیوٹر، چشمہ وغیرہ کی تصاویر بنائی تھیں۔

ایک تصویر کو دیکھتے ہوئے ٹیچر پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔وہ بھیگی آنکھوں سے کبھی جماعت میں بیٹھے غریب راجو کے معصوم چہرے کی طرف تو کبھی اس کی بنائی روٹی کی تصویر کی طرف دیکھ رہی تھی

افسانچہ۔۔۔شکوہ

ارشد منیم

چیونٹے کے کاٹتے ہی وہ درد سے لرز اٹھا-اپنی ٹانگ کو سہلاتے کے بعد وہ پاؤں سے چیونٹے کو مسلتے ہوئے غصے بھرے لہجہ میں بولا-

پتا نہیں اللہ نے یہ چیونٹے کیوں بنائے ہیں۔۔۔ بہت زور سے کاٹتے ہیں-

مرے پڑے چیونٹے کے پاس جمع ہو رہے دوسرے چیونٹوں میں سے ایک چیونٹا آسمان کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا ایسے لگ رہا جیسے وہ پوچھ رہا ہو-

یا اللہ آپ نے یہ ظالم مخلوق، انسان کیوں بنائی۔

افسانچہ دلدل

ارشد منیم

اس نے کھڑے ہو کر پرس سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور بیڈ پر بیٹھی اپنے کپڑے درست کر رہی عورت کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا-

کیا ایک بات پوچھ سکتا ہوں-

عورت نوٹ پکڑ کر اپنے بلاؤز میں رکھتے ہوئے چہک کر بولی-

ہاں۔۔۔۔۔۔پوچھو بابو۔۔۔۔۔

وہ اپنے بالوں کو ہاتھ سے کنگھی کرتے ہوئے بولا-

تم یہ جسم فروشی کا دھندہ کیوں کرتی ہو-

یہ سنتے ہی اداس سی مسکراہٹ عورت کے چہرے پر پھیل گئی اور وہ کہیں دور سے بولی ※

اپنے بیٹے کو اچھے سکول میں پڑھانے کے لیے تاکہ وہ مجھے غربت کی دلدل سے باہر نکال سکے ※

ایک غزل

آپ کی نذر

مل جائیں گے جواب پھر ہر اک سوال کے

(کچھ روز رہ کے دیکھئے گھر میں سفال کے)

ہے خیر سے چڑھا جو یہ سال سولہواں

اب سے ہی تم نے رکھنا ہے خود کو سنبھال کے

کل کو کباڑ خانے میں جانا اسے بھی ہے

چرچے ہیں آج جس کے حُسن و جمال کے

اولاد کا یہ حال ہے اب دیکھئے حضور

خوش ہو رہے ہیں باپ کو گھر سے نکال کے

ملتا نہیں ہے وہ جسے ہم نے گنوا دیا

دیکھے ہیں دل کے کونے بھی سارے کھنگال کے

صورت نہ جانے کیسی ہوتی ہے یار کی

دیکھے تو کوئی نقش ہمارے خیال کے

اس بے ثبات دنیا میں گم ہیں ہو گئے

دن قیمتی بتائے ہیں یوں ماہ و سال کے

گل نظیر خان

غزل

ترا حسن کوئی طلسم ہے، تو قبول دل کا پیام کر
جسے چاہے اپنا عزیز رکھ، جسے چاہے اپنا غلام کر
مرے دل کشا، مرے دل نشیں، مرے ہمنوا، مرے ہم نشیں
مرے دل میں پل کو ٹھہر کبھی، کسی شام اس میں قیام کر
کبھی نیند کی تو کتاب میں، کسی روز آ مرے خواب میں
مری خامشی سے کلام کر، کوئی گفتگو مرے نام کر
بڑی پاک ہے مری عاشقی، نہ ہوس کی ہے اسے تشنگی
نہ شرابِ حسن پلا مجھے، مرے نام دید کا جام کر
یہ لباسِ ہجر اتار کر تو لباسِ وصل پہن کبھی
نہ خسوف ہو، نہ اماس ہو، وہ وصالِ ماہِ تمام کر

(محمد کلیم شاداب، آکوٹ، ضلع آکولہ، بھارت)

غزل

حسن کب عالمِ اسباب میں آ سکتا ہے
کیا سمندر کسی تالاب میں آ سکتا ہے!
ایک امید پہ سنتا ہوں وفا کے قصے
نام میرا ابھی اسی باب میں آ سکتا ہے
جس کو خود سے نہ ہو مطلب نہ ہو مجھ سے امید
وہ مرے حلقۂ احباب میں آ سکتا ہے
روز سوتا ہوں گلابوں کو سرہانے رکھ کر
وہ کسی رات مرے خواب میں آ سکتا ہے
اب تو اس دل کے تڑپنے کا نتیجہ اسلم
کاوشِ ماہیِ بے آب میں آ سکتا ہے

اسلم خان اسلم

غزل

بڑی آسانی سے گزرے گی تمہارے بغیر
میں نے اک عمر گزاری ہے سہارے بغیر
تو بہت کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر یاد رہے
کہ تو کچھ بھی نہیں ہے دوست! ہمارے بغیر
اے مرے صبر کے پھل! ٹھیک اتر آ ورنہ
خشک ہو جائے گا ٹہنی پہ اتارے بغیر
ایک تحریک ضروری مجھے میری جاں!
میں سنور سکتا نہیں تیرے سنوارے بغیر
روشنی چاہیے اس کو جسے منعکس کرے
چاند ممکن ہی نہیں ہوتا ستارے بغیر

شہزاد ڈوگر

نام: میمونہ محمد عظیم

شہریت: گھوٹکی (سندھ)

عنوان: خفاء و پوشیدگی

یہ شامیں اداس نہیں ہوتیں بلکہ کسی کی زندگی اداس بھرے منظر کی عکاسی کر رہی ہوتی ہے۔۔

آسمان غمگین نہیں ہوتا کسی کا قلب غم میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور بے بسی کے آخری اسٹیج پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔۔

روشن دن میں کبھی اندھیری کا احساس دن کے تاریک ہونے کی علامت نہیں بلکہ بسا اوقات زندگی کسی بوجھ تلے دب چکی ہوتی ہے پھر عجز کی اس قدر انتہا ہوتی ہے کہ آنکھیں کھلی ہوتی ہیں مگر ہر پہر اندھیر پھیلتی محسوس ہوتی ہے اس وقت خود سے بڑھ کر کوئی عاجز معلوم نہیں ہوتا۔۔

کچھ چہرے خلقتی طور پر مرجھائے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ انکے پیچھے بھوک اور فقر و فاقہ کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔۔

کچھ حاجت مند سائلین کی فہرست میں داخل نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے آشیانوں میں صبر کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔۔

کچھ ضرورتمند لوگوں پر اپنا حال منکشف ہونے نہیں دیتے مگر انکی معشیتِ حیات کافی کٹھن ہوتی ہے۔۔

کچھ لوگوں کو معاشرتی طور پر برا سمجھا جاتا ہے مگر انکا باطن نقی و صاف ہوتا ہے۔۔

کچھ لوگ رزیل و اسفل سمجھے جاتے ہیں مگر وہ عنداللہ صالحین سے بھی فوقیت لے جاتے ہیں۔۔

کچھ چیزوں کے اندر خفا (پوشیدگی) ہوتی ہے جس پر دور اندیشی ہی مطلع کرتی ہے۔۔

اُم حبیبہ بنت محمود ۔

محبت کے الفاظ میں بہت طاقت ہوتی ہے، ان الفاظ کے سہارے ہی رشتوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ سارا دن ہم ایسے بے شمار لفظ بولتے ہیں جن سے ہمیں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، جونہی وہ الفاظ محبت سے کہیں جائیں وہ کسی کی زندگی بن جاتے ہیں۔ میرا چھوٹا بیٹا اکثر جب ہم دھوپ میں بیٹھتے میری چادر سے سے اندر جھانکتا کیونکہ چادر میں تیز دھوپ ایسے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی مانند دیکھائی دیتی تو وہ کہتا کہ یہ چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں اور چاند میری ماں تھے تو صرف یہ الفاظ ہی مگر ان میں محبت کتنی ہے یہ ایک ماں ہی جان سکتی ہے۔ اپنے الفاظ کو قیمتی بنانا سکھیں۔ آپ میرا فخر ہو ، آپ میری محبت ہو، آپ میرے لیے خاص ہو صرف چند الفاظ سے ہم کسی کو خرید سکتے ہیں۔

عنوان: ادھورے جملے

ازقلم: ایمن پارس پریہان، جڑانوالہ

میری یادداشت میں جدائی کا وہ آخری لمحہ آج بھی محفوظ ہے جب میں نے اسے خود سے دور جاتے دیکھا تھا۔ جب پاس تھا تو کبھی کچھ کہہ نہ سکی اور جب نظروں سے اوجھل ہوگیا تو گویا الفاظ کا ذخیرہ تو محض میرے پاس ہے۔ اب بھی اس کی یاد آتی ہے اور بہت زیادہ آتی ہے مگر کبھی بھی کچھ کہہ نہیں سکی۔ وہ جو کبھی بہت پاس تھا اب اچانک سے اتنا اجنبی ہوگیا ہے کہ میری ہر آواز اس تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہے۔
کبھی کبھی تو ایسا لگتا
ہے جیسے دماغ اس کی سب باتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر خود میں انڈیل رہا ہے اور مجھ سے کہنا چاہتا ہے کہ یہ تمھاری خود ساختہ سزا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

دل

زرین زاہد

دل اللہ کی عطا کردہ انمول نعمت ہے۔
جب حرکت قلب کی وجہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے تو دھڑکنے کا سبب بھی اسی کی ذات کو ہونا چاہیئے۔ دل ایک نرم لوتھڑا ہے، اور اس کا حقیقی حق دار اس کی پاک ذات ہی ہے۔ دنیاوی محبتیں عارضی سکون کی وجہ تو بن سکتی ہیں، لیکن مسلسل سکون کی وجہ اللہ اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ دل کو نفرت، حقارت اور حسد سے محفوظ رکھیں اور اسے نرم گوشہ بنائیں تاکہ اللہ رب العالمین اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت رچ بس جائے۔